
لطفِ ستم
انتخابِ کلامِ واقفؔ عظیم آبادی

لطفِ ستم

انتخابِ کلامِ واقفؔ عظیم آبادی

لطفِ ستم

انتخابِ کلامِ واقفؔ عظیم آبادی

مرتبین

سید جاوید حسن

زیبا تبسم

بُک امپوریم

پٹنہ

لطف ستم : انتخاب کلامِ واقفؔ عظیم آبادی

سید جاوید حسن / زیبا تبسم

جنوری، ۲۰۰۳

۱۵۰ روپے

بیشتر کلام روزنامہ 'سنگم' پٹنہ سے نقل کئے گئے ہیں۔ بعض اسباب کی بنا پر اشاعت کی تاریخیں حذف کر دی گئی ہیں۔ معلومات کے لئے مرتبین سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

یہ کتاب محکمۂ راج بھاشا، اردو ڈائرکٹوریٹ
حکومت بہار کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوتی ہے۔

تصویر علامہ واقفؔ : خدا بخش لائبریری، پٹنہ
کور ڈیزائن : گڈو

کمپوزنگ : محمد اصغر، گلیکسی کمپیوٹر، پٹنہ سیٹی
ناشر : بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔۸۰۰۰۰۴
طباعت : پاکیزہ آفسیٹ، پٹنہ
تقسیم کار : بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔۸۰۰۰۰۴

Lutf-e-Sitam : Intekhab-e-Kalaam-e-Waqif Azimabadi

Edited by
Syed Jawaid Hasan
Zeba Tabassum

Rs. 150/-

انتساب

پروفیسر جابر حسین کے
سماجی سروکار
و عصری دانشوری
کے نام

فہرست

ابتداء

روحانیات

طنز و تغزل

چٹکیاں

حالات حاضرہ

تضمین

ادبی شخصیات

پیشِ لفظ

۸۹-۱۹۸۸ کا زمانہ تھا۔ جاڑے کا موسم آ رہا تھا' یا جا رہا تھا۔ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں۔ البتہ یادداشت میں اتنا ضرور محفوظ ہے کہ میں اپنی بقایہ اُجرت وصول کرنے ایک اردو روزنامہ کے دفتر گیا ہوا تھا۔ حسب معمول' خالی ہاتھ واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں سے ایک تیز آواز ٹکرائی— 'کون ہے بے؟'

میں نے دفعتاً پلٹ کر دیکھا— ایک ضعیف العمر شخص چوکی پر ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لیتا میری طرف مخاطب تھا۔ نورانی چہرہ۔ آنکھیں روشن۔ ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ۔

'جی! مجھ سے کچھ کہا؟'

ضعیف نے اپنے پائتانے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

'کیا نام ہے؟'

'جاوید۔'

'پورا نام؟'

میں نے قدرے الجھن سے پورا نام بتا دیا۔

'اچھا' تو سید ہو!'

میں خاموش رہا۔ آخر کہتا بھی کیا!

'کدھر سے؟ ماں کی طرف سے یا باپ کی طرف سے؟'

دیر سے سمجھ کر جلدی سے جواب دیا— 'جی' باپ کی طرف سے......'

'اور ماں......؟'

'میرے نانا شیخ تھے۔'

'اوہ' اچھا...... ہاہاہا...... 'ضعیف نے ایک زوردار قہقہہ لگایا — 'تو دوغلے سید ہو!'

میرے 'دوغلے سید' ہونے کے انکشاف پر وہاں بیٹھے تمام صحافیوں' کاتبوں نے بھی جم کر قہقہہ لگایا۔

دفتر سے باہر نکلتے وقت میں نے کسی سے اس دلچسپ ضعیف کے بارے میں دریافت کیا۔

'یہ واقفؔ صاحب ہیں۔'

بات آئی گئی ہو کر رہ گئی۔

ایک عرصہ بعد' غالباً ۱۹۹۱ میں' علامہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

رسمی گفتگو کے بعد کہنے لگے' بہار اردو اکادمی کے پاس مسودہ جمع کرنا ہے' کلام کی اشاعت کے لئے۔

مجھے یاد نہیں' ان کے کہنے پر یا خود میں نے اپنی مرضی سے' ان کا کلام جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران پتہ چلا' بہار اردو اکادمی سے علامہ واقفؔ کا اگریمنٹ ہوا ہے۔ اردو اکادمی نے بطور پیشگی انہیں کچھ رقم بھی ادا کی تھی۔

خیر' خدا بخش لائبریری اور گورنمنٹ اردو لائبریری کی مہینوں خاک چھانی۔ قریب دو سو کلام' مع حوالہ تاریخ و اخبار ترتیب دے کر مسودہ علامہ کے حوالے کر دیا۔

کافی دنوں بعد علامہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ پتہ چلا' شدید بیمار پڑ گئے تھے۔ سو آرہ چلے گئے۔ آرہ سے لوٹے' مگر مسودہ وہیں چھوڑ آئے۔ مجھے نہیں پتہ' علامہ کے دل پر کیا گزر رہی تھی' مجھے تو بے حد گراں گزرا۔

میں اس صدمہ سے اُبر چکا تھا کہ ایک روز علامہ کے ایک قریبی 'میری خدمت میں' حاضر ہوئے۔ دھیرے سے بولے — 'آپ کا مسودہ میرے پاس ہے۔'

میری باچھیں کھل گئیں۔ سوچا: انتہائی احمق انسان ہے۔ اتنی اچھی بات اتنے دھیرے سے کہہ رہا ہے۔ اسے تو بانگ دہل یا بالا علان کہنا چاہئے تھا۔

'بس آپ ابھی مسودہ دے دیجئے۔ ہم دونوں چل کر اسے اکادمی کے حوالے کر دیتے ہیں۔'

'لیکن ایک شرط ہے۔' جناب کچھ اور دھیرے سے بولے۔

'کیا؟'

'آدھا پیسہ میں لوں گا۔'

میں نے حد درجہ نرمی سے کہا— 'جناب! آپ آدھا کیا' سارا پیسہ لے لیں گے۔ مسودہ تو جمع کر دیں۔'

مسودہ جمع نہیں ہوا۔ شاید انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ایگریمنٹ کے مطابق پیسے واقفؔ صاحب کو ملنا ہے' نہ کہ مجھے۔

اس کے بعد نہ تو علامہ واقفؔ نے کہا' اور نہ میرا حوصلہ ہوا کہ پھر سے کام شروع کروں۔

مسودہ کی نقل رکھی نہیں تھی کہ اسے ہی اکادمی کو سونپ دیتا۔

اور پھر دیکھتے دیکھتے علامہ اس دنیا سے چلے گئے۔

علامہ کے انتقال کے بعد آرہ میں ایک پروگرام ہوا تھا' واقفؔ صاحب کی یاد میں۔ پروگرام کا عنوان یاد نہیں۔ چند صفحات پر مشتمل میں نے بھی ایک مضمون لکھا۔ پتہ نہیں کس طرح' ایک ادارہ کے ناظم اور علامہ کے مرید کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے میرا مضمون پڑھا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈالا۔

میری طرف کچھ روپے بڑھاتے ہوئے بولے— 'کیا خوب مضمون ہے! یہ پٹنہ سے آرہ جاتی آتی کا کرایہ رکھئے— اور یہ مضمون آپ وہاں میرے نام سے پڑھ دیجئے گا۔'

پھر ایسا ہوا کہ عظیم آباد نے تو علامہ کو بھلایا ہی' آرہ نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ادبی حلقہ نے ان کی قدر نہیں کی۔ تاہم میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ علامہ نے خود کی قدر نہیں کی۔ اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو آج ان کی اتنی ناقدری نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن تب اس شخص کو اپنے مزاج' اپنی فطرت کے برعکس کچھ کام کرنے ہوتے— مصلحت پسند ہوتے اور کسی لابی میں شامل ہوتے۔ لیکن انہوں نے نہ 'یہ سب' کیا' نہ 'وہ سب' ہوا۔

یہ تو ڈاکٹر عابد رضا بیدارؔ ہی تھے' جنہوں نے علامہ کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل خدا بخش لائبریری میں 'ایک شام: علامہ واقفؔ کے نام' کا اہتمام کر کے ان کی عزت افزائی کی' ورنہ علامہ تو حقیقتاً بڑے بے آبرو ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوتے!

بہر حال، علامہ کے چند قدردانوں اور مداحوں کے مشورے پر میں نے ایک بار پھر کلام واقف ترتیب دینے کے لئے خود کو آمادہ کیا۔ زیبا تبسم سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔ وہ فوراً تیار ہو گئیں۔ محترمہ عظیم آباد کے ایک گمنام، مگر اپنے دور کے مشہور شاعر، شمس عظیم آبادی کی نواسی ہیں۔

زیبا تبسم نے بڑی محنت و لگن سے خدابخش لائبریری اور گورنمنٹ اردو لائبریری میں مختلف اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کی اور علامہ کے ۱۹۷۴ سے لے کر ۱۹۹۲ تک کے قریب چھ سو کلام جمع کیے۔

جب میں کلام کو ایڈیٹ کرنے بیٹھا تو ایک نہیں کئی ایک مصیبتیں آ کھڑی ہوئیں۔ چونکہ کتاب کو سرکاری معاونت سے شائع ہونا تھا، اس لئے مخصوص پارٹی یا حکومت مخالف اشعار، اعلیٰ سیاسی شخصیتوں سے متعلق نکتہ چینیاں اور متنازعہ نوعیت کے اشعار کو الگ کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ سارے کلام کی اشاعت سے کتاب کی ضخامت بڑھ جاتی، باوجود اس کے یہ مکمل دیوان نہیں ہوتا۔ تیسری مصیبت یہ تھی کہ کتاب کا بجٹ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ آخر میں طے یہی ہوا کہ فی الحال چنندہ اشعار ہی 'کلام واقف' میں شامل کیے جائیں۔

جب ایڈیٹنگ سے فراغت حاصل ہوئی تو علامہ کی ایک آدھ تصویر کا خیال آیا۔ اس سے پہلے ایک فوٹو گرافر نے بتایا تھا کہ ان کے پاس علامہ کی دو تصویریں ہیں۔ انہوں نے دونوں تصویریں دکھائیں بھی۔ سچ مچ میرے منہ میں پانی آ گیا۔ میں نے تصویروں کو چھونے کی کوشش ہی کی تھی کہ موصوف نے کہا کہ ایک تصویر کے پانچ سو روپے لگیں گے۔ میں احمقوں کی طرح ان کا منہ تکتا رہ گیا۔ وہ عقل مندوں کی طرح تصویریں بیگ میں رکھ کر چلتے بنے۔

ادھر، حال میں ایک اردو اخبار کے دفتر پہنچا، جس کی علامہ واقف پنج توڑا کرتے تھے۔ معلوم ہوا اخبار مالک کے چھوٹے صاحبزادے کے پاس علامہ کی ایک تصویر ہے۔ یہ تصویر بڑے صاحبزادے نے کھینچی تھی۔ چھوٹے صاحبزادے نے کہا کہ وہ تصویر بڑے جتن سے کھینچی گئی ہے۔ کافی بکاؤ ہے۔ کچھ موٹی رقم دیں تو دوں گا۔

میں نے علامہ کا واسطہ دیا۔ بڑے دنوں بعد مانے۔ کہا کہ بعد میں آیئے گا، تصویر کہیں رکھا گئی ہے۔ تلاش کرنی ہوگی۔

میں نے چھوٹے بڑے دونوں صاحبزادوں کے پاس دوڑ لگائی۔ لیکن وہ تصویر نہیں ملی۔ آخرکار میں اس

'دوڑ' سے ہی باہر ہو گیا۔

ایک روز ڈرتے ڈرتے میں نے اردو کے سینئر صحافی جناب عبدالرافع کی خدمت میں مجموعۂ کلام کا مسودہ پیش کیا۔ عرض کیا کہ حضور والا! ذرا اسے ایک نظر دیکھ لیں تا کہ اگر کہیں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کی گرفت ہو سکے۔ اپنی خامی تو کسی کو نظر آتی نہیں!

اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود موصوف نے وقت نکال کر مسودہ کی نوک پلک درست کی۔ مگر یہ بھی کہا کہ اسے جناب خواجہ افضل امام سے ضرور دکھالو۔ وہ عربی' فارسی اور اردو کے نہ صرف ماہر ہیں' بلکہ شعر و شاعری سے گہرا شغف بھی رکھتے ہیں۔

میں اگلے ہی روز خواجہ صاحب کے دولت خانے پر حاضر ہو گیا۔ مقصد بیان کیا۔ کہنے لگے — 'برخوردار! میں اسے ضرور دیکھ لیتا۔ مگر کیا کروں' میرے ہاتھوں میں رعشہ ہے۔'

وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ ان کے لئے چیک بک پر دستخط کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ تاہم انہوں نے مجھے اردو ادب کی دو شخصیات سے ملنے کا مشورہ دیا۔ ان کی اہلیت کی بڑی تعریف بھی کی۔ میں وقت ضائع کئے بغیر ان میں سے ایک کے گھر جا پہنچا۔

بزرگوار نے انتہائی بے دلی سے میری آمد کا مقصد دریافت کیا۔ میرا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر بھی' مقصد بیان کیا۔ خواجہ صاحب کا حوالہ دیا۔ یہ بھی عرض کیا کہ مسودہ کو ایک نظر دیکھ لینا کارِ خیر ہوگا۔ اس کا اجر خدا آپ کو ضرور دے گا۔

بزرگوار بیٹھے بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ میں کھڑا کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ آخر میں ارشاد فرمایا—

'آپ مسودہ خواجہ صاحب کے پاس چھوڑ آیئے۔ میں ان سے جا کر مل لوں گا۔'

اس کے بعد' خواجہ صاحب نے جس دوسرے باصلاحیت عالم کے بارے میں بتایا تھا' میں ان کے پاس گیا ہی نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا تھا کہ ان کو کچھ پیسے کی پیشکش بھی کرنا۔ میں نے سوچا' جب ایک شخص کو خدا کے اجر کی پرواہ نہیں' تو بھلا دوسرے کو میری حقیر سی رقم میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!

جب خواجہ صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے سارا حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب بولے— 'مسودہ مجھے ہی دے دو' میں کسی طرح دیکھ لوں گا۔'

میں نے مسودے کی فوٹو کاپی ان کے حوالے کر دی۔ اگلے ہی ہفتہ ہشاش بشاش تقاضے کو جا پہنچا۔

انہوں نے مسودے کی فائل میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا— 'میاں! واقفؔ صاحب زندہ ہوتے' تو اس مجموعہ کلام کو دیکھ کر دو ہزار گالیاں دیتے۔'

میں دم بخود رہ گیا۔ خیال آیا' میں نے غلطی سے کسی چلتے پھرتے شاعر کا مسودہ تو انہیں نہیں تھما دیا تھا!

خواجہ صاحب کہنے لگے— 'ارے میاں! یہ سب تو 'اخباری' کلام ہیں۔ انہوں نے یہ سب تین تین روپے میں لکھا تھا۔ یہ ان کا معیار نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان میں ان کے فن کی بالیدگی ہے۔ اسی لئے میں نے واقفؔ صاحب کے حالات زندگی پر تمہارا لکھا مضمون ہی پڑھا۔ کلام کو تو میں نے دیکھا تک نہیں۔ یہ تو غیر معیاری ہیں۔ واقفؔ صاحب جو مشاعرے میں پڑھا کرتے تھے' انہیں اکٹھا کرو۔

میں نے کہا— 'حضور' یہ غیر معیاری ہی سہی' لیکن ہیں تو واقفؔ صاحب ہی کے۔ یہ تو محض ایک شروعات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی کوئی ایک چیز منظر عام پر آجائے۔ اس کے بعد جنہیں توفیق ہوگی' وہ تلاش و لاش کر کے ان کی معیاری چیزیں چھاپیں گے۔ ابھی تو 'اسی' کا چھپنا محال ہو رہا ہے۔ دس سال گزرنے کو آئے۔'

انہوں نے بات کاٹی— 'ایسا ہے کہ

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

بھئی' پڑھنے والا تو تمہاری مجبوری نہیں سمجھے گا!'

میں خاموش ہو گیا۔ جب علامہ واقفؔ رسوا ہو سکتے ہیں' تو مجھے رسوائی کی کیا فکر!

اب جو بھی ہے' جیسا بھی ہے' آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ یہ اس قلم کار کا مجموعہ' کلام ہے' جس کی شاعری میں جمہوریت کا عنصر ہے اور جس کی تخلیقات عام لوگوں کے حالات و خیالات سے روبرو کرتی ہیں۔

علامہ واقفؔ کی ایک سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عوامی شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں عوامی زندگی کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے ذخیرۂ کلام میں خوشی و شادمانی' حسرت و یاس' اُمنگ و مایوسی' نفرت و محبت' ملک و ملت' حماقت و ذکاوت' طنز و مزاح— غرضیکہ ان کی شاعری میں وہ سب کچھ موجود ہے' جو

ہمیں سماجی سروکار سے مربوط کرتا ہے۔ علامہ واقف کے کلام میں حیرت انگیز طور پر موضوع کا تنوع ملتا ہے۔ خوانگی زندگی سے لے کر بین الاقوامی سیاسی سرگرمیوں تک کو فنی لوازمات کے ساتھ انہوں نے نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

علامہ عصری حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ روز ایک نیا اور تازہ ترین کنٹنٹ لے کر قارئین کے سامنے حاضر ہوتے تھے اور قاری کے تجسس کی یہ انتہا ہوتی تھی کہ وہ صبح اٹھتے ہی متعلقہ اخبار کھول کر دیکھا کرتے تھے کہ آج انہوں نے کس موضوع پر بے لاگ و بے باک تبصرہ کیا۔ کہاں کہاں طنز و مزاح کے تیر و نشتر چلائے۔ اور سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ کہ کون ان کے قلم کا ہدف بنا۔

علامہ واقف کے فن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت قاری زندگی کی ہمہ جہت سچائیوں اور تلخیوں سے روبرو ہوتا ہے۔ وہ طنز و مزاح کی چاشنی میں جس طرح حقائق پیش کرتے تھے اس کی مثال بہار کے کسی دوسرے شاعر میں شاید ہی دیکھنے کو ملتی ہو۔

اہم بات تو یہ ہے کہ علامہ نے اپنی شاعری کو حسن و عشق، بادہ و ساقی اور قنوطیت و یاسیت کے حصار سے نکال کر عام لوگوں کی دلچسپی کا موضوع بنایا۔ انہوں نے بالکل سہل انداز اور سادہ زبان میں شاعری کی جہاں ترسیل کا کوئی مسئلہ سامنے نہیں آتا۔ انہوں نے ایسی شاعری کی، جسے ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے۔ اسی لئے، انہوں نے اپنے تصور کے سانچے میں جو کردار گڑھے، اس کا بھی رشتہ ہماری زندگی سے اتنا مضبوط اور مربوط ہے کہ ہم آہٹ سے ہی اس کی شناخت کر لیتے ہیں۔

جہاں تک زبان و رسم الخط کا تعلق ہے، علامہ نے اردو کی عظیم خدمت کی ہے۔ انہوں نے 'واقف آرٹ' کے ذریعہ اردو اور اردو آبادی کے درمیان کی کھائی کو پاٹنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ انہوں نے بہ یک وقت اردو آبادی کے دو ٹارگیٹ گروپ کو اپنے کلام کی جانب متوجہ کیا۔ ایک' اس طبقہ کو' جس کا تعلق شرفاء، ادباء اور دانشوران و سیاستدان سے ہے۔ اس طبقہ کی دلچسپی کے لئے انہوں نے تغیر پذیر سیاسی و سماجی حالات کے پس منظر میں طنزیہ و مزاحیہ تبصرے کئے۔ دوسری طرف' متوسط اور سماج کے بالکل نچلے پائدان پر کھڑے لوگوں کی تسکین ذوق کے لئے انہوں نے سیدھی سادی زبان میں دلچسپ مزاحیہ نظمیں کہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کو ایک چائے دکاندار بھی اتنی ہی دلچسپی سے پڑھتا تھا' جتنی کہ اعلیٰ ترین منصب پر فائز گورنر بہار۔

اس مجموعۂ کلام کی اشاعت میں مجھ سے زیادہ ان لوگوں کا عمل اور ردعمل اہمیت رکھتا ہے' جن کا ذکر میں

نے سطور بالا میں کیا ہے۔ میں ان کے تئیں بے حد شکر گزار ہوں۔ میں عہدیداران خدابخش لائبریری بالخصوص جناب سلیم الدین اور جناب انظر' اراکین گورنمنٹ اردو لائبریری' ڈاکٹر رضوان احمد' سکریٹری' بہار اردو اکادمی اور جناب شفیع احمد فاطمی کے تئیں بھی خصوصی طور پر ممنون و مشکور ہوں' جن کا مجھے پُرخلوص تعاون حاصل ہوا۔

آخر میں علامہ واقفؔ کی روح سے معذرت بھی چاہوں گا کہ مجھ جیسے نااہل اور ادب سے نابلد شخص نے ان کے کلام کو ایڈٹ کرنے کی جرأت کی۔ یہ نیک کام تو خالص ادیبوں اور شاعروں کو ہی زیب دیتا ہے۔ میں اس جرأت مندی اور ادب کی دنیا میں دخل اندازی کے لئے معافی چاہوں گا۔

میرا خدا مجھے معاف کرے۔ اور آپ بھی!

سید جاوید حسن

یکم جنوری' ۲۰۰۳

جن لوگوں نے علامہ کو آخری وقتوں میں قریب سے دیکھا ہے‘ وہ ان کی مزید چند خصوصیات کا اضافہ کریں گے۔ مثلاً‘ سر پہ لازمی طور پر ٹوپی‘ ہونٹوں میں اکثر ہا بیڑی یا سگریٹ‘ جسم پر صاف کم‘ بیشترمیلا سا کرتہ پائے جامہ‘ پیروں میں ہوائی چپل‘ شانوں سے لٹکتا ایک جھولا‘ جھولے میں دو چار نئے پرانے قلم‘ چند مڑے تڑے سادے یا خود کے تحریر کردہ کاغذات‘ ہاتھ میں چھڑی۔ اور ہاں! جھولے یا کُرتے کی جیب میں راکھ۔ علامہ راکھ کیوں کھاتے تھے؟ یہ ایک معمہ ہے۔ کہیں وہ پیٹ کی بھوک منہ میں راکھ بھر کر ہی تو نہیں بجھا لیتے تھے؟

حالاتِ زندگی

حالات زندگی

علامہ واقفؔ دلدار، وضع دار اور ظریف طبع انسان اور بحیثیت شاعر یکتائے روزگار و عظیم فن کار تھے۔ وہ قدیم و جدید ادب کے پیرہن میں پرانی تہذیب کی نمائندگی کرتے تھے۔ کرتے کی جیب میں راکھ اور ہاتھ میں چھڑی لے کر چلنے والی اس ہستی کو محض دیکھنے سے یہ قطعی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے، جو خود فاقہ میں رہ کر اپنے 'آرٹ' کی زبان میں ادبی چٹکیوں سے قارئین کے دل میں گدگدی پیدا کر دیتا ہے۔ شاعری کی تقریباً تمام اصناف اور اردو، فارسی و عربی پر عبور رکھنے والے شاہ فضل امام کے ساتھ بھلے ہی گردش ایام نے انصاف نہ کیا ہو، تاہم وہ اپنے فن کے معاملے میں پوری طرح انصاف پسند تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں جو کچھ بھی کہا، جو بھی لکھا، بالکل صاف صاف لکھا۔ انتہائی سادگی و ظرافت آمیز سنجیدگی سے اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کیا۔ وہ خود ہی کہتے ہیں:

مرے اشعار میں منظر کشی بھی ہے ظرافت بھی
قلم نے کھینچ دی تصویر جو خاکہ لکھا میں نے

اور

زبان سادہ میں رنگینیاں رکھ دیں سیاست کی
مزہ آنے لگا دونوں کو جب یکجا لکھا میں نے

علامہ ایک زندہ دل شاعر تھے۔ زندگی کے تئیں ان کا نظریہ بالکل واضح تھا۔ وہ مانتے تھے کہ زندگی ہے تو تلخی بھی ہوگی۔ لیکن اگر اس تلخی کو مسکرا کر فراموش کر دیا جائے تو کیا برا ہے! لہٰذا وہ فرماتے ہیں:

خار زار زندگی کیا ہے، گلستاں بوستاں
شرط ہے لیکن گل و گلزار کی باتیں کرو

ولادت

علامہ واقفؔ کا اصل نام شاہ فضل امام تھا۔ ان کی ولادت ریاست بہار کے موجودہ ضلع جہاں آباد میں واقع ارول میں ۱۳رجمادی الاول ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۸رمارچ، ۱۹۱۶ء بروز سنیچر بوقت دس بجے صبح ہوئی تھی۔ علامہ کا دادیہال ارول جبکہ نانیہال آرہ تھا۔ وہ اپنے والدین کی واحد اولاد تھے۔

پرورش

علامہ کی پرورش ان کی والدہ محترمہ صفیہ خاتون نے کی۔ کہتے ہیں، جب وہ اپنی ماں کے بطن میں تھے، تو والد شاہ منظر امام کو کسی نے زہر دے دیا تھا، جس کے نتیجے میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ اس طرح انہوں نے اپنے والد کا منہ تک نہیں دیکھا۔

محترمہ صفیہ خاتون نے بڑے ناز ونعم اور محبت و شفقت سے اپنے بیٹے کی پرورش کی۔ ہر خواہش کی تکمیل کی اور کسی بات کی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔ جب علامہ پچاس سال کی عمر کو پہنچے تو ان کی والدہ ۳راپریل، ۱۹۶۶ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔

تعلیم

علامہ واقفؔ کی ابتدائی تعلیم ان کی رہائش گاہ پر ہوئی تھی۔ گھر پر ہی عربی، فارسی و اردو کا درس لیا۔ بعد ازاں میر گنج، آرہ واقع مدرسہ حنفیہ میں ان کا داخلہ ہوا، جہاں سے انہوں نے مولوی کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسہ وحیدیہ، آرہ سے عالم کی سند لی اور مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ سے فاضل کی سند پائی۔

پڑھائی لکھائی کے معاملے میں ان کی والدہ نے کوئی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ کہتے ہیں، مدرسہ کی تعلیم کے زمانے میں علامہ قیمتی شیروانی، چوڑی مہری کا زربفت کا پائے جامہ، ترکی ٹوپی اور سلیم شاہی جوتا پہنتے تھے۔ ان کے آگے پیچھے دو دو مامائیں کتابوں کا بستہ اور سینی میں وافر مقدار میں اشیائے خوردنی لے جایا کرتی تھیں۔

اہل خاندان

علامہ کا تعلق ارول و آرہ کے بے حد متمول اور مشہور و معروف خاندانوں سے تھا۔ ان کے دادا کا نام شاہ ظہیر تھا جبکہ چودھری شرافت حسین، ایم ایل سی، چودھری ریاست حسین، سول سرجن، چودھری وجاہت

حسین، ڈپٹی گورنر، ریزروبینک اور چودھری حفاظت حسین، کمشنر، بنارس علامہ کے اپنے ماموں تھے۔ علاوہ ازیں خود ان کے والد شاہ منظر امام کا اچھا خاصا ادبی ذوق تھا۔ انہیں داغ دہلوی سے عقیدت اور حضرت علی عشرت گیاوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ جد مرحوم حضرت شاہ اظہر حسین عالم دین مفتی شرح متین ہونے کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ علامہ کے نانا چودھری منظور احمد بھی اچھے اور خوش فکر شاعر تھے۔ مرحوم شاہ مشتاق احمد، سابق نائب صدر، بہار اردو اکادمی علامہ کے چچازاد بھائی اور سابق ایم پی، طارق انور علامہ کے بھتیجہ ہوتے ہیں۔

علامہ کی شادی ۱۹۴۳ء میں موضع قاضی چک، تھانہ مسوڑھی، ضلع پٹنہ کے باشندہ ڈاکٹر سید عبدالحمید کی سب سے بڑی صاحبزادی نفیسہ خاتون سے ہوئی تھی۔ ان سے کل پانچ بیٹیاں (بالترتیب نیلوفر، فردوسی، مسرت، شادمانی اور شادابی) اور ایک فرزند (اکبر امام کاشف) ہیں۔ اہلیہ اور بچے بہ فضل تعالیٰ باحیات ہیں۔

شخصیت

علامہ واقف کی شخصیت گوناگوں خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ وہ ایک طرف جہاں انتہائی ذہین، عاقل اور زمانہ شناس تھے، تو دوسری طرف نفاست پسند، سادہ لوح اور دلچسپ انسان بھی تھے۔ وہ خوش مزاج بھی تھے اور تنک مزاج بھی۔ گویا گھڑی میں ماشہ، گھڑی میں تولہ۔ وہ جہاں اپنی عالمانہ اور مدلل گفتگو سے سامعین کو متحیر اور قائل کر دیا کرتے تھے، وہیں روتے ہوئے کو ہنسا دینے کا فن بھی خوب جانتے تھے۔ ان میں بچوں جیسی معصومیت بھی تھی اور مطلق العنان حکمراں جیسی آمریت بھی۔ مجموعی طور پر وہ بے انتہا قابل و مدبر اور انتہائی حساس انسان تھے۔ سچ پوچھا جائے تو ان میں وہ سارے تضادات موجود تھے، جو ایک آدمی کو جینئس بناتے ہیں۔

خواجہ افضل امام، سابق صدر، شعبہ فارسی، پٹنہ یونی ورسٹی اپنے ایک مضمون 'علامہ شاہ فضل امام واقف آروی عظیم آبادی' میں علامہ کے عالم شباب کا خاکہ کچھ یوں پیش کرتے ہیں:

> 'واقف صاحب کی ذات ہر لحاظ سے نمایاں تھی. بہترین سرج کی شیروانی، آنکھ پر سنہری فریم کا چشمہ، ہاتھ میں چاندی کی منہ کی چھڑی، پیر میں پیٹنٹ کا پمپ، قیمتی لٹھے کا پائے جامہ سرمہ لگائے ہوئے، سر پر ترکی ٹوپی، سیاہ خش خشی داڑھی

منہ میں پان' شیروانی کی جیب میں گھڑی جس کی چین سونے کی۔ غزل ترنم سے پڑھتے تھے۔ حسین' جمیل' شکیل وجیہہ انسان' جب غزل پڑھتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔'

اسی شخص کا خدوخال ایام پیری میں یکسر مختلف تھا۔ عمر کے ۵۷ ویں سال میں علامہ کا پیکر بقول نوجوان ادیب ڈاکٹر رضوان اللہ آروی کچھ اس طرح تھا:

'بوٹا ساقد' خمیدہ کمر' سوچتی ہوئی' چمکتی ہوئی اور خلاؤں میں کچھ ڈھونڈتی ہوئی آنکھیں' لب تبسم آشنا' دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز' اپنی ذات میں گم' قلم بدست' فاقہ مستی میں مست اور خود شناسی و خود نگری کا ایک خاموش پیکر — یہ تھے علامہ شاہ فضل امام واقف آروی'

جن لوگوں نے علامہ کو آخری وقتوں میں قریب سے دیکھا ہے' وہ ان کی مزید چند خصوصیات کا اضافہ کریں گے۔ مثلاً' سر پہ لازمی طور پر ٹوپی' ہونٹوں میں اکثر بیڑی یا سگریٹ' جسم پر صاف کم' بیشتر میلا سا کرتہ پائے جامہ' پیروں میں ہوائی چپل' شانوں سے لٹکتا ایک جھولا' جھولے میں دو چار نئے پرانے قلم' چند مڑے تڑے سادے یا خود کے تحریر کردہ کاغذات' ہاتھ میں چھڑی۔ اور ہاں! جھولے یا کرتے کی جیب میں راکھ۔ علامہ راکھ کیوں کھاتے تھے؟ یہ ایک معمہ ہے۔ کہیں وہ پیٹ کی بھوک منہ میں راکھ بھر کر ہی تو نہیں بجھا لیتے تھے؟

علامہ کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہیں ذاتی طور پر کبھی کسی سے شکایت نہیں رہی۔ نہ خدا سے' نہ حالات سے' نہ انسانوں سے۔ انہوں نے کبھی اپنی بربادی و زبوں حالی کا رونا بھی نہیں رویا۔ ان میں خودداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ علامہ کو اپنے نام و نمود کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ بقول ان کے' وہ تحریک آزادی میں بھی پیش پیش رہے تھے۔ لیکن ہمیشہ روپوش رہ کر کام کرتے رہے۔ انہوں نے خود کو فریڈم فائٹر اعلان کر کے پنشن لینا تک گوارہ نہیں کیا۔

علامہ واقفؔ ایک ہمدرد اور رحم دل انسان تھے۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچانے کا جذبہ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی اس سلسلے کا ایک قابل ذکر واقعہ یوں رقم کرتے ہیں—

'دسمبر کی یخ بستہ رات میں واقف صاحب کو سردیوں میں

ٹھٹھرتے دیکھ کر ایک صاحب حیثیت و صاحب اقتدار نے انہیں دو کمبل بخش دئے۔ راستے میں واقف صاحب کو دو بھکاری نظر آئے جو انہیں کی طرح سردیوں سے کانپ رہے تھے۔ واقف صاحب نے ان دونوں کے جسموں پر ایک ایک کمبل ڈالا اور آگے کی راہ لی۔ ساتھ والے آدمی نے سرزنش کی ''واقف صاحب! یہ کوئی دانشمندی تو نہیں۔' واقف صاحب کا جواب تھا— 'انہیں کوئی نہیں دے گا۔ اللہ مجھے دے گا۔' اور کمال حیرت' اللہ نے انہیں دینے میں تاخیر نہیں کی۔ وہ کچھ ہی آگے بڑھے تھے کہ ایک دوسرے ذی حیثیت نے انہیں نئی شال عنایت کر دی۔'

کوئی خواہ علامہ کے بارے میں کچھ بھی کہے' ان کی شخصیت کے کسی بھی پہلو کو اجاگر کرے' وہ بذات خود اپنے متعلق بس یہی کہتے ہیں:

بے تلک کے ہیں مہاراج' یہ واقفؔ صاحب
اس کو سمجھا نہیں وہ 'الو کا پٹھا' مردود

مزاج

علامہ منکسر المزاج ہونے کے ساتھ ساتھ نازک مزاج بھی تھے۔ اس کا سبب شاید بے پناہ علمی صلاحیتیں اور ان کا پرشکوہ ماضی تھا۔ طبیعت خوشگوار رہتی تھی تو انتہائی ادب' متانت' خلوص اور نرم دلی کا سلوک کرتے تھے۔ لیکن جب مزاج بگڑتا تھا تو کسی کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ خواہ کوئی ان کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ ان کے مزاج میں حدت آتی تھی تو سبھوں کو ایک ہی ردیف و قافیہ سے نواز دیتے تھے۔ مغلظات کی لغت میں بھی انہوں نے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ بقول خواجہ افضل امام ان کی تنک مزاجی کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ حسب ذیل ہے:

'پٹنہ ریڈیو اسٹیشن میں ایک ٹاک تھا۔ مدعوئین میں ہفت روزہ 'نقیب'، پھلواری شریف کے سابق مدیر جناب اصغر امام فلسفی مرحوم بھی تھے۔ وہاں کے اسٹاف نے جناب واقف سے استفسار کیا کہ شاعری سے آپ کا مقصد کیا ہے؟

جناب واقف نے بڑے تلخ انداز میں جواب دیا— 'مچھلی سے آپ دریافت کرتے ہیں کہ تیرنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ ہوا سے پوچھتے ہیں کہ چلنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ ایسے سوال کرنے کے لئے بھی اہلیت چاہئے۔'

حافظہ

علامہ کی ذہانت وعلمیت کا لوہا ان کے مخالفین بھی مانتے تھے۔ یہ دراصل ان کے برسوں کے مطالعہ اور کتب بینی کا ثمرہ تھا۔ ان کے مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ آرہ سے پٹنہ ہجرت کر رہے تھے تو اس وقت ان کے پاس صرف فقہ، تفسیر، فلسفہ اور مذاہب عالم سے متعلق تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں۔

سب سے حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ اس قدر عمیق مطالعہ کے باوجود آخری وقت تک ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ انہوں نے جس چیز کو ایک بار پڑھا، اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ حتیٰ کہ وہ برسوں بعد بھی کتاب کا نام، مصنف یا شاعر کا اسم گرامی، عنوان، مضمون اور صفحہ نمبر تک بتا دیا کرتے تھے۔ انہیں کچھ لکھتے وقت حوالہ کے لئے کبھی کسی کتاب سے رجوع کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ذکاوت

ذکاوت وذہانت میں علامہ کا جواب نہیں تھا۔ بقول خواجہ افضل امام—

'۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر مسلم لیگ اور کانگریس کے بڑے بڑے لیڈران پٹنہ میں مقیم تھے۔ مسلم لیگ کے اکابرین، مثلاً خواجہ ناظم الدین اور سر فیروز خان نون کا قیام مسٹر لارنس کے ساتھ گرینڈ ہوٹل میں تھا۔ کانگریس کے کچھ اکابرین صداقت آشرم، ڈاک بنگلہ اور کچھ مختلف وزراء کی کوٹھیوں میں مقیم تھے۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ڈاک بنگلہ میں قیام پذیر تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد جناب سید محمود کے ساتھ اسی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے، جس میں آج کل اے این سنہا انسٹی ٹیوٹ واقع ہے۔

جمعیت العلماء، کا ایک وفد' جس میں واقف صاحب' قاضی احمد حسین صاحب' حاجی عیسیٰ پھلواروی اور حاجی شفیع پھلواروی شریک تھے' مولانا آزاد سے ملنے آیا۔ اس وقت مولانا آزاد اکابرین کانگریس یعنی ڈاکٹر راجندر پرساد' سری کرشن سنگھ' ڈاکٹر انوگرہ نارائن سنگھ وغیرہ کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ مولانا کی مشغولیت دیکھ کر ارکان جمعیت نے واپسی کا پروگرام بنایا۔ مگر واقف صاحب نے کھڑے ہو کر مولانا آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا— 'حضرت! سورہ عبس و تولیٰ کی شان نزول کیا ہے؟'

مولانا چونک پڑے۔ وہ اکابرین کانگریس کو چھوڑ کر فوراً واقف صاحب کی طرف مسکراتے ہوئے مخاطب ہو گئے اور دیر تک ان سے گفتگو کرتے رہے۔ اس درمیان اکابرین کانگریس ان دونوں کی گفتگو سنتے رہے۔'

ظرافت

علامہ بڑے ظریف طبع واقع ہوئے تھے۔ روتے ہوئے کو ہنسانا اور تلخ بات کو ظرافت کا لبادہ پہنانا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ان کا کلام اس امر کا گواہ ہے۔ ذاتی زندگی کے شب و روز بھی کم دلچسپ نہ تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے—

علامہ کے برادر نسبتی جناب سید عبدالسلام' ریٹائرڈ اسسٹنٹ سکریٹری' مدرسہ ایجوکیشن بورڈ' پٹنہ کو سگریٹ نوشی کا بڑا شوق تھا۔ سگریٹ پیتے بھی تھے تو انتہائی قیمتی برانڈ کی' جس کی خوشبو قرب و جوار تک پہنچ جاتی تھی۔ لیکن جناب عبدالسلام اپنے بہنوئی علامہ واقفؔ کے سامنے سگریٹ نوشی سے احتراز کرتے تھے۔ ایک بار علامہ نے جناب عبدالسلام سے سگریٹ طلب کی۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے بولے— 'تم بھی پیو۔ کوئی مضائقہ نہیں۔'

جناب عبدالسلام ذرا ہچکچائے۔ پھر بولے— 'نہیں میں سگریٹ نہیں پیتا۔'

اس پر علامہ مسکراتے ہوئے بولے— 'میاں' چھوٹی موٹی عیاشی کیا کرو، تاکہ بڑی عیاشی سے بچ سکو۔'

ایک دوسرا واقعہ ہے کہ صدر اسپتال' پٹنہ میں علامہ واقفؔ کی آنکھوں کا آپریشن تھا۔ آنکھوں پر پٹی

بندھی ہوئی تھی۔ ان کے بستر کے بغل والے خالی بیڈ پر ایک ضعیفہ علاج کرانے پہنچی۔ علامہ بدبدانے لگے— 'یہاں کے ڈاکٹر بڑے موذی ہیں۔ جب مریض سو جاتا ہے تب اس کی گردن اتار لیتے ہیں۔ رات ہونے والی ہے۔ اب تو خدا ہی حافظ ہے۔'

اتنا سننا تھا کہ ضعیفہ اٹھی اور اسی وقت وہاں سے چلتی بنی۔ بقول جناب احمد بدر' ڈپٹی ڈائرکٹر' آدری اسٹیٹ ریسورس سنٹر' پٹنہ علامہ یہ واقعہ بڑے لطف لے لے کر سنایا کرتے تھے۔

نشیب و فراز

علامہ کی زندگی نشیب و فراز سے بھرپور تھی۔ ایام طفلی اور عہد شباب جس قدر آرام دہ تھا' بڑھاپا اس کے ٹھیک برعکس تکلیف دہ تھا۔ کہتے ہیں' ان کے دادیہال اور نانیہال میں دولت' علم' مرتبہ اور وقار گھر کی لونڈی تھی۔ عہد شباب میں دولت و عشرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اس امر کا اندازہ' بقول جناب ماہر آروی' اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب تک آرہ میں رہے' دسترخوان پر دس پانچ آدمی ضرور شریک رہا کرتے تھے۔ یہی نہیں' محفل آراستہ ہے اور باہر کسی خوانچہ والے نے آواز لگا دی' تو اس کے خوانچہ کا سارا مال چند لمحوں میں فروخت ہو جاتا تھا۔

علامہ کا زوال ۴۷-۱۹۴۶ء سے شروع ہوا۔ اس زوال کی وجہ کسی قسم کی اخلاقی برائی نہیں' بلکہ علامہ کی فضول خرچی اور بے جا مہمان نوازی تھی۔ چونکہ وہ اپنے والدین کی واحد اولاد تھے' لہٰذا ان کے حصے میں کافی دولت آئی۔ نانیہال سے کٹرے کی آمدنی آتی تھی۔ جب آمدنی ناکافی ہوئی' تو کٹرے بیچ دیے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی کا ایک ٹھوس ذریعہ ختم ہو گیا۔ شاہ خرچی میں قرض بڑھ گیا۔ آخر میں عالیشان مکان کا ایک حصہ فروخت کرنا پڑا۔ پھر دوسرا حصہ' یعنی پورا مکان بک گیا۔ اس طرح ۱۹۶۵ آتے آتے وہ اپنی ساری دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

بذات خود علامہ اپنی تباہی کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

> 'شعر و شاعری کے خبط اور موسیقی کے ذوق نے ہمیں تباہ کیا۔ مشاعرہ میں غزل پڑھنی تھی۔ اس میں منہمک تھا۔ دیوان جی تشریف لائے اور خبر دی کہ سرکاری مال گزاری جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ دسمبر ہے اور اب صرف ۸ یوم رہ گئے ہیں۔ ہم نے سنی ان سنی کر دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد دیوان جی آئے اور

کہا کہ آج آخری تاریخ ہے۔ کوئی صورت نکالئے ورنہ جائیداد نیلام ہو جائے گی۔ اور وہ واقعی نیلام ہو گئی۔ یہاں خوشی اس بات کی تھی کہ غزل مکمل ہوئی۔ رہی جائیداد' تو اس کی واگزاری کے لئے مقدمہ بازی شروع کر دی۔'

اس طرح علامہ واقف آرہ میں دو چیزوں کے لئے مشہور تھے۔۔۔ شعروشاعری کے لئے اور مقدمہ بازی کے لئے۔ علامہ کے بارے میں ایک بات دعویٰ کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ ان کے لب شراب سے ناآشنا رہے اور کسی اخلاقی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے۔

جب آرہ میں سب کچھ ختم ہو گیا تو وہ پٹنہ چلے آئے۔ کچھ روز تک گولک پور واقع جناب عبدالسلام کی رہائش گاہ پر رہنے کے بعد پھلواری شریف میں ایک کرائے کے مکان میں مع اہل وعیال رہنے لگے۔ وہاں قریب ڈیڑھ برس ہی رہے' پھر آرہ چلے گئے۔ ملکی محلہ میں اپنی فیملی کے قیام کا بندوبست کر کے دوبارہ پٹنہ چلے آئے۔ ۱۹۹۳ء کے وسط تک پٹنہ میں ہی رہے۔ پٹنہ میں رہے تو اپنی خودداری اور پرانی نفسیات کے ساتھ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ڈیوڑھیوں پر شب گزاری کے باوجود انہوں نے خود کو کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیا۔ ہمیشہ اپنے قلم اور ذہانت کی بدولت اپنی روٹی کا بندوبست خود کرتے رہے۔

سردی ہو یا گرمی' علامہ کے شانے پر ایک کمبل ہمیشہ رہتا تھا۔ ادارہ شرعیہ کا فرش ہو یا روزنامہ 'ہمارا نعرہ' کے دفتر کی بنچ' کسی عزیز کی چوکھٹ یا پھر 'اتحاد وطن'، 'سنگم' کا آفس۔۔۔ جہاں جاتے' کمبل بچھا دیتے۔ حسب ضرورت اوڑھ بھی لیتے۔ جھولے سے کاغذ قلم نکالتے اور خامہ فرسائی شروع کر دیتے۔

اخباروں میں علامہ واقف کی ایک نظم کی قیمت پانچ سے بیس روپے ہوتی تھی۔ خدا بخش لائبریری کے لئے لکھے گئے ایک صفحہ کی قیمت تین روپے تھی۔ علامہ کی نظر میں اس قیمت کی اہمیت نہیں تھی' بلکہ ان کے لئے ایک دن کی اہمیت تھی۔ وہ روزانہ کماتے تھے اور روزانہ کھاتے تھے۔ نہ صرف خود کھاتے تھے بلکہ بانٹ کر کھاتے تھے۔ کچھ پیسہ وہ بچا کر بھی رکھتے تھے' جو ان کے اہل وعیال کے کام آتا تھا۔ محکمہ راج بھاشا سے مقررہ وظیفہ سے بھی انہیں کچھ رقم حاصل ہو جاتی تھی۔ جب تک آنکھوں میں روشنی اور دل میں دھڑکن رہی' یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ان کا کلام روزنامہ 'سنگم' 'ہمارا نعرہ' 'صدائے عام' ہفتہ وار 'اتحاد وطن' ہفتہ وار 'عظیم آباد ایکسپریس' ہفتہ وار 'الہند' ہفتہ وار 'مگدھ پنچ' ماہنامہ 'رفاقت' 'المعظم' اور سہ ماہی 'شفق' وغیرہ میں شائع ہوتا رہا۔ انہوں نے ۱۹۶۵ میں خود اپنا ایک اخبار 'طشت از بام' شائع کرنا شروع کیا تھا جس

میں 'واقف آرٹ' کے عنوان سے حالات حاضرہ پر ان کا طنزیہ کلام شائع ہوتا تھا۔ مگر 'طشت از بام' کی عمر مختصر رہی۔ البتہ مختلف اخبارات میں 'واقف آرٹ' جاری رہا۔

وفات

علامہ نے پٹنہ میں اپنی زندگی اور شاعری دونوں کا ایک طویل حصہ گزارا۔ آرہ میں انہوں نے جوانی گزاری اور بڑھاپے کو راجدھانی پٹنہ کے نام وقف کر دیا۔ عمر کے قریب ۷۷ ویں سال میں ان کی صحت نے جواب دے دیا۔ حالت بگڑنے لگی تو وہ کاکو چلے گئے۔ وہیں ٦ ستمبر ۱۹۹۳ء کو ساڑھے پانچ بجے شام میں اس دارفانی سے رخصت فرما گئے۔ ان للہ وان علیہ راجعون۔ ۷ ستمبر کو اپنے ننیہالی قبرستان متصل بوعلی منزل منشا پانڈے کا باغ' آرہ میں مدفون ہوئے۔

علامہ نے اپنی حیات میں ہی کہا تھا—

لحد میں یہ فرشتوں نے کہا واقف مبارک ہو
کہ تم کلمہ سے جنت کی فضا لیتے ہوئے آئے

شگفتہ طبع ہوں ہر رنگ ہے باغ و بہار اپنا
ہر اک مضمونِ خار و گل تروتازہ لکھا میں نے

ابتداء

پڑھو اس کو تمہارے واسطے کیا کیا لکھا میں نے
کتابِ دل لکھی، اک دفترِ معنی لکھا میں نے

رعایت لفظ و معنی کی نہ ہو تو شعر مہمل ہے
وہاں ساحل بھی دیکھو گے جہاں دریا لکھا میں نے

مرے اشعار میں منظر کشی بھی ہے ظرافت بھی
قلم نے کھینچ دی تصویر جو خاکہ لکھا میں نے

ہر اک 'برننگ ٹاپک' پر لکھا میرے سوا کس نے؟
جو لکھا وہ بہ رنگِ آتشِ صحرا لکھا میں نے

زبان سادہ میں رنگینیاں رکھ دیں سیاست کی
مزہ آنے لگا دونوں کو جب یکجا لکھا میں نے

شگفتہ طبع ہوں ہر رنگ ہے باغ و بہار اپنا
ہر اک مضمونِ خار و گل تروتازہ لکھا میں نے

مرے اشعار میں ہے جا بجا آہنگ صائب بھی
دلیل اس کی وہیں لکھ دی جہاں دعویٰ لکھا میں نے

مرے اشعار میں ہے بلبلِ شیراز کا نغمہ
بہت رنگیں لکھا لیکن بہت سادہ لکھا میں نے

مخالف میرے کہتے ہیں کہ میں 'ہزال و پاجی' ہوں
اسے 'سفلہ' لکھا میں نے اُسے 'غنڈہ' لکھا میں نے

حقیقت اس میں صرف اتنی سی ہے اے دوستو سن لو
جو بے ہودہ تھا اس موذی کو بے ہودہ لکھا میں نے

مگر جو لوگ اچھے ہیں بڑھایا حوصلہ ان کا
بہ بانگ صورِ اسرافیل انہیں اچھا لکھا میں نے

وہیں 'ماضی' سے جوڑا ذہن کا ٹوٹا ہوا رشتہ
اگر 'امروز' کو وابستۂ 'فردا' لکھا میں نے

مدد مانگی خدا سے اور ہر مضمون کو واقف
قلم برداشتہ لکھتا ہوں برجستہ لکھا میں نے

سب پہ ہے 'رحمت عالم' کی نظر اے واقفؔ
ذرہ ذرہ ہے ثنا خوانِ رسولِ عربی

روحانیات

اے بندۂ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے
لطفِ شہِ لولاک لما اور ہی کچھ ہے

اے ذاکر اسمائے خدا وند تعالیٰ
یہ صل علیٰ سیدنا اور ہی کچھ ہے

ملنے کو تو مل جائیں گے کعبہ میں بھی لیکن
عشاق شہِ دیں کا پتہ اور ہی کچھ ہے

اے رحمتِ سرکارِ دوعالمؐ ترے قرباں
گر ٹوٹ کے برسے تو گھٹا اور ہی کچھ ہے

رکھتا نہ ہو 'اعدائے نبیؐ' سے جو سروکار
وہ 'مردِ مسلماں' بخدا اور ہی کچھ ہے

ہے 'راج' دو عالم میں رسولِ عربیؐ کا
اور ان کی 'دہائی' کا مزہ اور ہی کچھ ہے

بخشے گئے ہم کلمۂ طیب کے خطاوار
ارشاد ہوا ان کی سزا اور ہی کچھ ہے

برجستہ و بے ساختہ و تازہ ہے یہ نعت
اور اس میں جو واقفؔ نے کہا اور ہی کچھ ہے

بچالے گی سب کو شفاعت نبی کی
نہ جائے گی دوزخ میں اُمت نبی کی

خدا ان کے ہاتھوں سے دیتا ہے سب کو
ہے 'تکوین' میں بھی رسالت نبی کی

ہیں وہ 'قاسم مطلق' نعمت رب
وہ دیں جس کو جتنا یہ شفقت نبی کی

خدا دے رہا ہے نبی بانٹتے ہیں
خزانہ خدا کا سخاوت نبی کی

پیام عمل ہے یہی ہر ولی کا
عبادت خدا کی اطاعت نبی کی

خبردار! اس 'تفرقہ' میں نہ پڑنا
یہ رحمت خدا کی وہ رحمت نبی کی

نہیں 'جبرئیل امیں' پر بھی ظاہر
خدا جانتا ہے حقیقت نبی کی

اگر کانٹا ہے تو بوتا چلا جا
نہ چھوڑ اے دلِ زار الفت نبی کی

خدا ان کو غارت کرے جلد واقفؔ
جو رکھتے ہیں دل میں عداوت نبی کی

مجھ پہ ہے بارشِ احسان رسولِ عربیؐ
میں ہوں اور سایۂ دامانِ رسولِ عربیؐ

مالک الملک بہ تملیک خداوند کریم
اے عدو! دیکھ یہ ہے شانِ رسولِ عربیؐ

ان کی عزت کا تھا کیا راز بتاتا ہوں تجھے
تیرے اسلاف تھے قربانِ رسولِ عربیؐ

ہو خودی تیری مسلماں تو سمجھ میں آئے
معرفت حق کی ہے عرفانِ رسولِ عربیؐ

تیرے بچوں میں نہیں ذوق تلاوت افسوس
تو بھلا بیٹھا ہے قرآنِ رسولِ عربیؐ

سارے اصحاب کی واجب ہے اطاعت تجھ پر
ان کا فرمان ہے فرمانِ رسولِ عربیؐ

روح قرآں ہیں وہی حاصل ایماں ہیں وہی
اہل بیت نبوی جانِ رسولِ عربیؐ

رتبۂ حضرت 'جبریل امیں' کیا کہنا
جو بنائے گئے دربانِ رسولِ عربیؐ

سب پہ ہے 'رحمت عالمؐ' کی نظر اے واقفؔ
ذرہ ذرہ ہے ثنا خوانِ رسولِ عربیؐ

امیر قافلہ شوق لامکاں مخدوم
'شرف' ہیں 'دین' کے 'فردوس آشیاں' مخدوم

چلو چلو کہ چھڑا ہے فسانۂ لاہوت
سنا رہے ہیں 'حقیقت کی داستاں' مخدوم

دعائیں جھوم رہی ہیں درِ اجابت پر
خدا کے سامنے ہیں میرے ترجماں مخدوم

مجھے ہیں یاد جنابِ مظفر بلخی
سلوک میں کبھی لیتے ہیں امتحاں مخدوم

ہنوز بوئے بلخ باقی ہے مظفر میں
ہوئے زبان مبارک سے گلفشاں مخدوم

محیط ارض و سماوات ہو خدا کی قسم
تمہیں کو پایا' میں پہنچا جہاں جہاں مخدوم

تمہارا خرقہ کچھوچھہ شریف میں دیکھا
ہو عرسِ 'حضرت سلطاں' میں تم عیاں مخدوم

یہ کہتے تھے سرِ مجلس جناب پیر مجیب
کہ صوفیوں کے ہیں دراصل میزباں مخدوم

حضور قلب جو شرطِ صلوٰۃِ مومن ہے
کہاں ملیں جو نہ ہوں دل کے پاسباں مخدوم

الجھ کے ذہن 'خصوص الحکم' میں رہ جاتا
جو عین وقت پہ آتے نہ درمیاں مخدوم

پڑھو تو 'مسئلہ وحدۃ الوجود' پڑھو
جو کر گئے کسی 'مکتوب' میں بیاں مخدوم

پڑھوں گا میں بھی یہ 'تسبیح تحفۂ ابدال'
کبھی جو پڑھتے تھے 'سبحانَ ذی الاماں' مخدوم

یہ 'رازِ اہل طریقت' بتا گیا واقفؔ
ہیں اولیا کی رگوں میں رواں دواں مخدوم

تم 'مبصر' ہو ذرا جانب 'موسیٰ' دیکھو!
'خضر' کے 'علمِ لدُنی' کا تماشا دیکھو!

تم مرے ساتھ کبھی ٹک نہیں سکتے موسیٰ
صاف قرآن میں ہے' خضر کا کہنا دیکھو!

کیا کہا حضرت موسیٰ نے جواباً اے دوست!
ان کا 'لااعصی لک امر' خدارا دیکھو!

کبھی قرآں سے تصوف ہو الگ ناممکن
کھول کر آنکھ مگر 'حیرت موسیٰ' دیکھو!

اور جب 'ھٰذا فراق' کا مقام آپہونچا
خضر کا قول یہ تھا رب کا ارادہ دیکھو!

'سورہ کہف' میں ناکام نظر آتے ہیں
اس میں 'مودودی و آزاد' کو یکجا دیکھو!

گالیاں دے کے تصوف کو ہوئے تم عریاں
کتنے ننگے ہو ذرا اپنا سراپا دیکھو!

بات سیدھی ہے کرو ذہن کو سیدھا اپنے
یہ غلط ہے' کبھی آڑا کبھی ترچھا دیکھو!

چند اشعار مری نوک قلم سے نکلے
اب ذرا اپنے 'غباروں' کا پچکنا دیکھو!

تمام عمر تماشائے چشمِ تر دیکھا
عجیب لطفِ شہنشاہِ بحر و بر دیکھا

علیؑ کو قوت بازوئے مصطفےٰ سمجھا
نبیؐ کو اپنے غلاموں سے باخبر دیکھا

ملا حسینؑ سا آقا گناہگاروں کو
دماغ امت مرحوم عرش پر دیکھا

ہر ایک منزلِ ہستی سے بے خطر گزرا
سوارِ دوشِ پیمبر کو راہبر دیکھا

حضورِ شبہ میں وہ پہنچا مثالِ موجِ نسیم
نہ سوئے تخت نظر کی نہ مال و زر دیکھا

بہت دراز ہے یہ داستاں کہ 'اصغر' نے
رُخِ امام بھی القصہ مختصر دیکھا

یہ پوچھتا تھا لعینوں سے جوشِ نہرِ فرات
جلال چہرۂ عباسِ نامور دیکھا؟

کوئی مرض ہو شفا بالیقیں ہے اے واقفؔ
یہ نامِ 'عابدِ بیمار' میں اثر دیکھا

متاعِ لذتِ انوارِ ایمانی نہیں جاتی
جو دولت ہو عطائے شاہِ جیلانی نہیں جاتی

سخاوت ان کی فطرت ہے، کرم ہے مشغلہ ان کا
ازل سے عادت محبوبِ سبحانی نہیں جاتی

زمانہ پر ہے احسانِ ولایت پیر پیراں کا
صبا لے کر کہاں پیغام روحانی نہیں جاتی

سیہ بختی میں دیکھو 'غوث اعظم المدد' کہہ کر
مٹائی کس طرح تحریر پیشانی نہیں جاتی

صدائے غیب بن جاتا ہے جس پر ہو کرم ان کا
مگر یہ لطف ہے آواز پہچانی نہیں جاتی

مریدی لاتخف 'تفسیر لاخوف علیہم' ہے
نظر کیوں جانبِ آیات قرآنی نہیں جاتی

خدا شاہد ہے کیا تفسیر ہے 'یحببکم اللہ' کی
دلوں سے الفتِ محبوبِ سبحانی نہیں جاتی

سن اے نازِ غلامی تیرے آقا کا پیام آیا
تری شاہی بھی ہے جب میری سلطانی نہیں جاتی

عجب شئے ہے جبین منکرین غوث اعظم بھی
کہ سجدے سرنگوں ہیں دل کی ویرانی نہیں جاتی

کرم واقف پہ ہے جدکریم شاہ جیلاں کا
سمجھتے ہیں مگر یاروں کی نادانی نہیں جاتی

بتائیں ہم کہ اس دنیا میں کیا لیتے ہوئے آئے
خدا کا ذکر، نامِ مصطفیٰ لیتے ہوئے آئے

بہ یاد سبط پیغمبر شہ اجمیر کو دیکھا
شکست تیشۂ دل کی صدا لیتے ہوئے آئے

خدا والے نبیؐ والے شہید کربلا والے
جہاں میں درد پنہاں کی دوا لیتے ہوئے آئے

عجب انداز ہے سرکار طیبہ کے نواسوں کا
جفا سہتے ہوئے آئے، وفا لیتے ہوئے آئے

ہر اک مشکل سے پہلے حضرتِ مشکل کشا پہنچے
وہ اپنے ساتھ رحمت کی گھٹا لیتے ہوئے آئے

ہزاروں بار فیض عابد بیمار دیکھا ہے
جو موج بحر آیات شفا لیتے ہوئے آئے

لحد میں یہ فرشتوں نے کہا واقفؔ مبارک ہو!
کہ تم کلمہ سے جنت کی فضا لیتے ہوئے آئے

لوحِ محفوظ ترا عرش معلّیٰ تیرا
شاہ سمن! ہے خدا داد یہ رتبہ تیرا

میں نے اجمیر کے آئینہ میں پایا تجھ کو
عکس تیرا تھا جمال رخ زیبا تیرا

ساز دل تجھ کو دیا خواجہ اجمیر نے جب
زمزمہ سنج ہوا کوہ ہمالہ تیرا

عرس سالانہ ترا گیارہویں رمضان کو ہے
سیکڑوں سال سے ارول میں ہے میلہ تیرا

ہر مسلمان کو حاصل ہے حمایت تیری
حاصل کلمہ توحید ہے چرچا تیرا

ہے خزانہ میں ترے سائل و محروم کا حق
صاف کہتا ہے یہ اللہ تعالیٰ تیرا

صرف قرآں کی تلاوت ہے ترا فیض و سلوک
اسھلُ الطرق الی اللہ ہے طریقہ تیرا

اس کو قرآں سے شفا مل گئی اللہ اللہ
دل بیمار نے جب پایا سہارا تیرا

اولیا میری نگاہوں سے کہاں چھپتے ہیں
شاہ سمن کوئی ثانی نہیں دیکھا تیرا

بڑھ گئی سیّد جیلاں کی عنایت مجھ پر
انہیں معلوم ہوا جب ہوں میں پوتا تیرا

طبع واقفؔ کی روانی ہے کرامت تیری
موج در موج ہمیشہ ہے یہ دریا تیرا

کہتے ہیں وہ سن کر مرے اشعار کو واقف
ہر شعر مزیدار ہے معلوم نہیں کیوں

طنز و تغزل

ہندو نظر آئے نہ مسلماں نظر آیا
ہر کفر یہاں حاصلِ ایماں نظر آیا

ہر زلف یہاں زلفِ پریشاں نظر آئی
ہر خواب یہاں خوابِ پریشاں نظر آیا

کرنے لگا مجھ سے 'سیکولرازم' کی باتیں
اچھا مجھے وہ تاحدِ امکاں نظر آیا

جو ہوش میں تھے ان کو تھی ہر راہ میں مشکل
مستوں کو ہر ایک راستہ آساں نظر آیا

تیرے 'ایٹمک ایج' سے جب دل مرا ٹوٹا
یہ ذرۂ ناچیز بیاباں نظر آیا

اس مردِ برہنہ کو بھی تنقید کی سوجھی
مجنوں کو مرا چاکِ گریباں نظر آیا

آجاتی ہے اخبار سے 'گپ' میں مری وسعت
مجھ کو یہ 'ٹیبل ٹاک' کا ساماں نظر آیا

بے کار ہے لایعنی ہے دیکھ اے شبِ تاریک
جگنو سے جو صحرا میں چراغاں نظر آیا

لطفِ ستم ہے قتل مکرر ہے واہ واہ
میرے گلے پہ آپ کا خنجر ہے واہ واہ

آئے ہیں آپ زلف پریشاں کئے ہوئے
گیسوئے انقلاب معطر ہے واہ واہ

کرتے ہیں آپ 'غولِ بیاباں' کی رہبری
شیطاں بھی جس کو دیکھ کے ششدر ہے واہ واہ

'مستقبل قریب' سے 'ماضی' بعید ہے
'دنیائے حال' برصف محشر ہے واہ واہ

'آئین عدل' عضو معطل ہے آج کل
لے دے کے ساری بات برابر ہے واہ واہ

ہے 'آمد بہار' میں 'آورد نو بہ نو'
باد نسیم تابع صرصر ہے واہ واہ

دیوانہ جوش میں ہے نہ فرزانہ ہوش میں
دونوں کے سر میں قلبِ مکرر ہے واہ واہ

'خالی تھا جام اور پئے جاتے تھے جگرؔ'
تصویرِ حال وجد کا منظر ہے واہ واہ

اس کے بغیر چل نہ سکی 'گفتگوئے حق'
غالبؔ ہیں اور 'بادہ و ساغر' ہے واہ واہ

واقفؔ نئی زمین، اچھوتی ردیف ہے
ہر شعر میں یہ دیکھئے کیونکر ہے واہ واہ

بے امتیاز 'فکر و نظر' دیکھتے رہے
تازندگی وہ 'تازہ خبر' دیکھتے رہے

رو کر کیا جہالت قومی کا تذکرہ
ہنس کر فساد علم و ہنر دیکھتے رہے

تعبیر ان کی کیا ہے جہانِ خراب میں
جو لوگ خواب خوف و خطر دیکھتے رہے

دونوں کا رنگ ایک تھا اے 'زلف انقلاب'
ہم اپنی شام تیری سحر دیکھتے رہے

کیا حزم و احتیاط حماقت تھی آپ کی
ہر 'خیر' میں وہ 'جلوہ شر' دیکھتے رہے

تھا 'ماہِ نو' کو دیکھنے کا شوق انہیں مگر
نکلا 'ہلال' اِدھر وہ اُدھر دیکھتے رہے

یہ 'واقفِ آرٹ' کیا ہے؟ سمجھ میں نہ آسکا
احساں جناب کا ہے اگر دیکھتے رہے

'غنڈوں' کو انگلیوں سے اشارہ کرے کوئی
سارا 'پلان' ان کو بتایا کرے کوئی

بجلی کی طرح 'چرخ' پہ چمکا کرے کوئی
بادل کی طرح 'جلسہ' میں گرجا کرے کوئی

ساقی اگر ہو دشمنِ ایمان و آگہی
کم ظرفیِ خیال گوارا کرے کوئی

جب ہاتھ آگئی ہے سیاست کی ڈگڈگی
'بندر' کی طرح سب کو نچایا کرے کوئی

فردِ حسابِ جرمِ تمنا نہ مل سکی
کیوں بار بار اس کا تقاضا کرے کوئی

ہر ایک 'ذی خیال' ہے خنجر لئے ہوئے
کس کس حرامزادے کا شکوہ کرے کوئی

دیتا ہے ملک 'دعوتِ نظارۂ فساد'
آنکھوں کو اپنی محوِ تماشا کرے کوئی

'سنگم' کی سرخیاں ہیں شہیدوں کی داستاں
'افسانۂ حیات' سنایا کرے کوئی

ترتیبِ 'نفسِ ہائے مظالم' ضرور ہے
فوراً پریس رپورٹ مہیا کرے کوئی

جو تُو نے ان کے کانوں میں چپکے سے کہہ دیا
اب پھر کہیں نہ 'وعدۂ فردا' کرے کوئی

'مجنوں' کا ووٹ کیا ہے؟ ملے گا مگر ہے شرط
حاصل مقام ناقۂ لیلیٰ کرے کوئی

اکتا گئی ہے اپنی طبیعت خدا گواہ
کب تک بتوں کے سامنے سجدہ کرے کوئی

واقفؔ زمین حضرت غالبؔ ہے فیض بخش
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

دوستو! گر جھوٹ کی پھٹکار بڑھتی جائے گی
دیکھتے جانا 'خدا کی مار' بڑھتی جائے گی

'ٹھپہ بازی' پر ہے جب دار و مدار انتخاب
آپ گھٹتے جائیں گے سرکار بڑھتی جائے گی

'رشوت آباد عمل' ہے کاروبار زندگی
اور ابھی یہ گرمیء بازار بڑھتی جائے گی

'اختلاط خیروشر' غنڈوں میں گر قائم رہا
یہ خلیج کافر و دیندار بڑھتی جائے گی

ماننے کی بات کو بھی گر نہ مانے گا کوئی
بحث بڑھتی جائے گی تکرار بڑھتی جائے گی

مجرموں کی دھڑ پکڑ سے ہوگی گر پہلو تہی
طاقتِ ہر 'مردم خونخوار' بڑھتی جائے گی

کیف اندر کیف ہے یا لطف اندر لطف ہے
آپ پڑھئے! لذت اشعار بڑھتی جائے گی

اٹھا میں کرکے ترک تمنا ابھی ابھی
کرنے لگا وہ شوخ تماشا ابھی ابھی

فوج عدو ہوئی ہے صف آرا ابھی ابھی
بننا ہے مجھ کو چھپ کے گوریلا ابھی ابھی

جو زخم خوردۂ ستم روزگار ہے
کرنا ہے مجھ کو اس کا مداوا ابھی ابھی

ماتم نشین عقل ہے مسجد میں اک 'امام'
کھا کر فریب وعدۂ 'اندرا' ابھی ابھی

لایا مرا ملازم احمق میں کیا کہوں
'آلو' کے ساتھ آلو 'بخارا' ابھی ابھی

ہیں وہ خموشیء لب ساحل بنے ہوئے
الٹی بہا چکے ہیں جو گنگا ابھی ابھی

کیا جانیں وہ کہ 'قوم کی خدمت' ہے کس کا نام
آیا ہے جن کی جیب میں پیسہ ابھی ابھی

نیچی نگاہ کرکے چلے جا رہے ہیں وہ
اونچا ہوا ہے جن کا 'ترنگا' ابھی ابھی

'کاکا توا' نے 'کانگریس آئی' سے کہہ دیا
الو ہوا ہے آپ کا سیدھا ابھی ابھی

چھیڑا تھا جس نے 'نغمہء اندرا' بہ سازِ نرخ
بھاگا ہے چھوڑ چھاڑ کے طبلہ ابھی ابھی

ہو جاتے ہیں احباب جو یکجا 'سرِ راہے'
چبھتا ہے دلِ زار میں کانٹا 'سرِ راہے'

کہتا ہے کوئی آیئے علامہ واقف
کرتا ہے سخن فہمی کا دعویٰ 'سرِ راہے'

پھر پوچھتا ہے مجھ سے 'خودی' کہتے ہیں کس کو؟
کرتا ہے 'قلندرؒ' سے تقاضا 'سرِ راہے'

پھر ان میں کوئی پوچھتا ہے رازِ سیاست
چھڑ جاتا ہے 'افسانۂ اندرا' 'سرِ راہے'

پھر ان میں کوئی پوچھتا ہے مجھ سے کہ حضرت!
کب آئے گی 'اردوئے معلیٰ' 'سرِ راہے'

تسلیم بجا لاتے ہوئے کہتا ہے کوئی
فرمایئے اس شعر کے معنی 'سرِ راہے'

پھر مجھ کو دکھاتا ہے کوئی 'ہاتھ کی ریکھا'
کھل جاتا قسمت کا نوشتہ 'سرِ راہے'

پھر مانگتا ہے مجھ سے بہ آہستہ وہ تعویذ
جس سے ملے اک 'برقِ تجلی' 'سرِ راہے'

پھر پوچھتا ہے 'فلسفۂ عالمِ اسباب'
بازیچہ نظر آتی ہے دنیا 'سرِ راہے'

میں ان سے نپٹتا ہوا بڑھ جاتا ہوں آگے
ہر شب کو یہ ہوتا ہے تماشا 'سرِ راہے'

یہ 'محفل بے جا' نہ ہوئی گرم تو ڈر ہے
آجائے نہ کمزور کو غصہ 'سرِ راہے'

اچھی نہیں ہمیشہ حقیقت کی بات چیت
کرتے ہیں لوگ اس سے شرارت کی بات چیت

مومن ہلاک لذت افطار ہو گیا
لیکن زباں پہ اس کی ہے جنت کی بات چیت

وہ آئے جب تو بحث کا نقشہ بدل گیا
کل سے چھڑی ہوئی تھی حماقت کی بات چیت

ہر روزہ دار مفتیء اسلام ہو گیا
ہر مسئلہ میں کرتا ہے جنت کی بات چیت

روزہ میں کھل کے ہوتی ہے دو مفتیوں میں جنگ
اور اس کے بعد صاف جہالت کی بات چیت

کرتے ہیں ضبط غصہ کو دونوں بجبر و قہر
رہ جاتی ہے ادھوری شجاعت کی بات چیت

مغرب کے بعد چھڑتی ہے پھر ٹھنڈی ٹھنڈی جنگ
ہوتی ہے سرد سرد امامت کی بات چیت

ایسے بھی خال خال ہیں جن سے اگر ملو
کرتے ہیں کچھ شگفتہ طبیعت کی بات چیت

رکھتے ہیں وہ بلندیٔ گفتار فطرتاً
شکوے کا شائبہ نہ شکایت کی بات چیت

دشمن کے نام کو بھی وہ لیتے ہیں اس طرح
اڑ جاتی ہے ہوا میں عداوت کی بات چیت

اور ایسے روزہ دار بھی ملتے ہیں صبح و شام
ہوتی ہے جن کے انس میں وحشت کی بات چیت

ذکر عذاب قبر زباں پر ہے رات دن
ملتے ہی چھیڑتے ہیں قیامت کی بات چیت

کس طرح رنگ بدلتی ہے یہ دنیا مردود
خود یہ مردود ہے اور اس کا تماشا مردود

میڈم اندرا کا جو فرمان قضا آپہنچا
ہو گئے 'محسن اردوئے معلیٰ' مردود

آج پھر 'پندرہ اگست' آئی ہے 'تا تا دھنا'
ساتھ 'سارنگی' کا دیتا نہیں 'طبلہ' مردود

انقلابات زمانہ کی قسم کھائے خدا؟
پڑھ کے 'والعصر' کو چپ ہے دل شیدا مردود

'قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا'
گاتا ہے 'مصرع غالبؔ' وہ برہنہ مردود

چاک کر دوں ابھی وہ زور جنوں رکھتا ہوں
مجھ کو ملتا ہی نہیں 'دامن صحرا' مردود

'داستاں ان کی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن'
اس میں شامل ہوا کیوں 'خون تمنا' مردود

جسم انساں میں ہے ہر عضو کا مخصوص مقام
سن لے فطرت کا یہ پیغام انگوٹھا مردود

آئی ایران سے اردو کی غزل میں بلبل
شور اس کا ہے نہ 'کوئل' نہ 'پپیہا' مردود

'بے تلک کے ہیں مہاراج' یہ واقف صاحب
اس کو سمجھا نہیں وہ 'الو کا پٹھا' مردود

لیلیٰ کرے گی زلف پریشاں اِدھر اُدھر
مجنوں بھی ہوگا چاکِ گریباں اِدھر اُدھر

کھاتے پھریں گے لوگ 'سویاں' اِدھر اُدھر
ملتے پھریں گے 'عید' مسلماں اِدھر اُدھر

شاعر غریب ہوں گے غزل خواں اِدھر اُدھر
لیڈر بھی ہوں گے قوم پہ قرباں اِدھر اُدھر

کرتے پھریں گے 'لوُ کے تھپیڑوں' کا سامنا
مارے پھریں گے 'کودکِ ناداں' اِدھر اُدھر

قطرہ جو بن کے 'قطرۂ ناچیز' رہ گیا
برپا کرے گا جوش میں طوفاں اِدھر اُدھر

ہوگی دراز آنکھ مچولی کی داستاں
'لوفر' جو ہوں گے سلسلہ جنباں اِدھر اُدھر

بُو موتیے کی آئے گی موتی کے ہار سے
وہ گل جو ہوگا سرو خراماں اِدھر اُدھر

ابلیس ہوگا مست مئے جامِ حریت
ننگا پھرے گا لشکرِ شیطاں اِدھر اُدھر

'نطشے' کی روح ہوگی 'سپرمین شپ' کے ساتھ
ہوگا 'خودی' کا مرغ پریشاں اِدھر اُدھر

خدا کے سامنے وہ سر جھکا دیتا ہے رمضان میں
ہماری مسجدوں کو جگمگا دیتا ہے رمضان میں

'کراماً کاتبین' کو ٹھپ کرا دیتا ہے رمضان میں
'ببی کھاتا' کو بھی صائم بنا دیتا ہے رمضان میں

وہ 'افطار' اور 'سحری' مسجدوں میں بھیج دیتا ہے
کھلا دیتا ہے رمضان میں' پلا' دیتا ہے رمضان میں

'امام' اس کے ہیں گرویدہ' موذن ہیں فدا اس پر
خدا معلوم ان دونوں کو کیا دیتا ہے رمضان میں

غضب ہے صبر اس کا 'ماں بہن' کی گالیاں سن کر
وہ ظالم 'متقی' ہے مسکرا دیتا ہے رمضان میں

جوانی میں یہ حافظ تھا مگر قرآں بھلا بیٹھا
اب اس کے بعد تفسیریں پڑھا دیتا ہے رمضان میں

بہت ڈرتے ہیں ہر مسلک کے 'علمائے کرام' اس سے
لڑا دیتا ہے ان کو پھر ملا دیتا ہے رمضان میں

'عظیم آباد پٹنہ' کی ادا میں ہے 'سلام' اس کا
کہ 'شائیلاک کا بچہ' مزا دیتا ہے رمضان میں

ہے 'مین از اے مسٹری' کا مسئلہ نہ پوچھئے
جو ہو رہا ہے دیکھئے' جو ہو گیا نہ پوچھئے

ہر ایک چیز ہے گراں مگر زبان یار پر
کہاں پہ اس کا نام ہے' کہاں پتہ نہ پوچھئے

'مسائل حیات' سے گریز ہر سخن میں ہے
'وزیر بے ثبات' کا یہ ماجرا نہ پوچھئے

ہے 'آر ایس ایس' آج بھی 'قدم قدم بڑھے چلو'
کہاں سے اس کے دل میں ہے یہ حوصلہ نہ پوچھئے

'شکست خوردہ ذہنیت' کا ایک 'رہنما' ملا
کہا کہ کچھ بتایئے! وہ بول اٹھا نہ پوچھئے

یہ روس ہے' وہ امریکہ' یہ میں ہوں' اور وہ آپ ہیں
ہے کون کس کی 'دم' میں اب بندھا ہوا نہ پوچھئے

'تنازع للبقا' کا غل فضائے شیطنت میں ہے
'لڑو' بھڑو' کٹو' مرو' کا فلسفہ نہ پوچھئے

کھڑے ہوئے ہیں قبلہ رخ امام و مقتدی مگر
ہے دو دلوں کے درمیاں جو فاصلہ نہ پوچھئے

ملی جلی حقیقتوں کا نام 'واقف آرٹ' ہے
الگ الگ نہ پوچھئے' جدا جدا نہ پوچھئے

یہ جائزہ، یہ تجزیہ، یہ ہسٹری، یہ مسٹری
مرے قلم کی نوک پر جو آگیا نہ پوچھیے

سرخی چشم رنگ کبوتر لئے ہوئے
تھا ہاتھ بارہ انچ کا خنجر لئے ہوئے

بھائی کو ڈھونڈتے تھے کہ 'سالا' کہاں گیا
وہ تھا کہ اڑ گیا صف محشر لئے ہوئے

بھائی ہے وہ 'حرامی' بتا دوں گا آج اسے
چھوڑوں گا اب نہ 'جان برادر' لئے ہوئے

وہ چیخ ہی رہے تھے کہ آئی پولس وہاں
بھائی تھا دس گواہوں کا لشکر لئے ہوئے

دیکھا پولس کو جب تو وہ کھسکے ذرا مگر
پکڑا پولس نے ہاتھ میں ہنٹر لئے ہوئے

بولے داروغہ 'بھیڑ' بھی مجرم کے ساتھ ہے
نیت ہے اس کی قتل کا محضر لئے ہوئے

ورنہ یہاں پہ جمع ہیں کیوں سارے بدمعاش
ہے راہ قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے

پکڑو حرام زادوں کو تھانہ پہ لے چلو
آتا ہوں میں بھی ان کا مقدر لئے ہوئے

پکڑا پولس نے ان کو بھی لے کر چلی گئی
تھانہ کی سمت گھیرے کے اندر لئے ہوئے

ہے 'اپورچونزم' بھی اک مسلکِ ہستی جناب
مجھ کو کیا سمجھے کوئی اقبالؔ کا 'راوی' 'چناب'

ہے 'پریکٹیکل خودی' میری کتاب لاجواب
اس جہاں میں ہے اصولِ زیست کی مٹی خراب

تھا دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
بے نشاطِ زندگی تھی ان کی ہر موجِ شراب

حضرت اقبالؔ نے بھی وقت کی کھینچی طناب
تھا دوگونہ جانِ مجنوں کے لئے رنج و عذاب

اور میں ہوں مردِ زیرک' مردِ دانا کامیاب
سامنے میرے حقیقت کا ہے چہرہ بے نقاب

ہے مرے تارِ نفس میں نغمۂ چنگ و رباب
میری 'ارننگ کپیسٹی' ہے میرا ذوقِ اکتساب

بے اصول و بے قیود و بے شمار و بے حساب
وقت کے رہوار کی تھپکی ہے میری ہمرکاب

میری دنیا میں نہیں ہوتا غروب آفتاب
میرے حاسد دیکھ کر ہو جاتے ہیں مجھ کو کباب

مجھ کو 'ابن الوقت' کا دیتے ہیں یہ دشمن خطاب
میں 'اپورچونسٹ' ہوں کہتا ہوں بے شرم و حجاب

میری ہستی انقلاب و انقلاب و انقلاب

ہو گئے خاموش وہ بکواس فرمانے کے بعد
میں بھی چپ تھا ان کے 'فل اسٹاپ' ہو جانے کے بعد

ایک غنڈے کو کہا میں نے ابے الو ہے تو
ہنس کے بولا جا ادھر جا' شاعر اردو ہے تو

میں نے پوچھا شاعر اردو کوئی گالی ہے کیا؟
ہنس کے بولا اور اس کا منصب عالی ہے کیا؟

آستیں میں نے چڑھائی اور چڑھا کر رہ گیا
میرے اس غصہ پہ غنڈا مسکرا کر رہ گیا

وہ اٹھا ہوٹل سے اور مجھ کو کیا جھک کر سلام
زیر لب میں نے کہا جا دور ہو ولدالحرام

وہ گیا 'مردود' بیڑی اپنی سلگاتا ہوا
اور 'واقفِ آرٹ' کی تازہ غزل گاتا ہوا

سنو پہلے کہ ہے معنیٔ پیداوار اُتپادن
کرو تم رفع حاجت اور کہو سوٗ بار اُتپادن

کئے جا، ہاں کئے جا اے مری سرکار اُتپادن
ہے کشت زعفراں تیرا سربازار اُتپادن

کہا ذہنی اُپج والوں سے باد صبح گاہی نے
ملوں میں اور کھیتوں میں کریں فنکار اُتپادن

'نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری' بھائی انشا کو
کرے گا کیا کوئی دربار سے بیزار اُتپادن

خبر دی حضرت اقبال نے 'زرخیز مٹی' کی
کرے گی 'کشت ویراں' ان کی اب نمدار اُتپادن

چلو اے دوست 'اُتپادن' کا لے کر آنکڑہ رکھ لیں
کہ موضوع سخن ہے برسر دربار اُتپادن

چالاک ہے عیار ہے معلوم نہیں کیوں
جو شخص ہے مکار ہے معلوم نہیں کیوں

بے نور ہے ہر صبح تو بے رنگ ہے ہر شام
دن رات سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں

ہر شخص پڑوسی کا گلا گھونٹ رہا ہے
یہ حاصل اخبار ہے معلوم نہیں کیوں

کرفیو بھی ہے اور فوج بھی ہے امن و امان کی
پنہاں بھی پدیدار ہے معلوم نہیں کیوں

جب ختم ہوئی گرمئی بازار محبت
دل اس کا خریدار ہے معلوم نہیں کیوں

وہ حلقہء تسبیح ہے معلوم نہیں کیا
یہ 'رشتہ زنار' ہے معلوم نہیں کیوں

کہتے ہیں وہ سن کر مرے اشعار کو واقف
ہر شعر مزیدار ہے معلوم نہیں کیوں

وہ شوخ ہے اب 'چیف منسٹر' کے نکٹ اور
اے چاک گریباں تجھے پھٹنا ہے تو پھٹ اور

کھاتا ہے کھلاتا ہے تو دیتا ہے خدا بھی
'افطار' پہ ہے مرد مسلماں کا 'بجٹ' اور

'اٹا' ہے ترے باپ کا اے 'مردم نامرد'
ہر چند کہ اس دور میں چت اور ہے' پٹ اور

وہ مردے کا جویا ہے' یہ زندوں کا شکاری
کرگس کی لپک اور ہے' شاہیں کی جھپٹ اور

وہ تجھ کو ستانے پہ جو آئے ہیں تو ست جا
لپٹائیں وہ تجھ کو تو لپٹ اور' لپٹ اور

'اقدار' کا افسانہ ہے خود تیری کہانی
جاکر ابھی تاریخ کے اوراق الٹ اور

ارباب حکومت کا ہے ایوان میں یہ حال
ضد کرتے ہیں عشاق' تو وہ کرتے ہیں ہٹ اور

اس حرکت شیریں میں ہے کیا تلخ ظرافت
فرہاد سے ارشاد ہے کھٹ! ہاں ابھی کھٹ اور

یہ کوشش تھی کہ سعیٔ رایگاں اچھی سے اچھی ہو
اڑے لیکن یہ گردِ کارواں اچھی سے اچھی ہو

میاں مجنوں تھر کتے ہیں کہ ہے محمل نشیں لیلیٰ
حدی خوانی ذرا' اے سارباں اچھی سے اچھی ہو

کہا اک نیچری نے کل کہ نیچر کا تقاضا ہے
بہار اچھی سے اچھی ہو خزاں اچھی سے اچھی ہو

کہا چھمن نے میں بنیا ہوں گر کی بات کہتا ہوں
کہ مٹی بیچ دوں لیکن دُکاں اچھی سے اچھی ہو

اسی مجلس میں ایک شاعر بھی تھے کہنے لگے مجھ سے
کہ مضمون کچھ بھی ہو حضرت! زباں اچھی سے اچھی ہو

وہیں پر اک 'نمازی' تھے، وہ بولے سب نمازی ہوں
جو ہو 'روحِ بلالی' اور اذاں اچھی سے اچھی ہو

بقول حضرت رومیؔ ہے سرِ دلبراں خوشتر
مگر دیکھو! 'حدیثِ دیگراں' اچھی سے اچھی ہو

کہا تھا مرنے والوں نے سنا تھا جینے والوں نے
تنِ خاکی میں جانِ ناتواں اچھی سے اچھی ہو

ہے 'سارے گاما پادھانی سا گا گائے سا' کا ہنگامہ
کہ تکمیلِ مذاقِ شاعراں اچھی سے اچھی ہو

ہمیشہ ہر سیاسی پارٹی کو فکر رہتی ہے
کہ اخباروں میں اس کی داستاں اچھی سے اچھی ہو

سنو اے شیخ عبداللہ! تھے اقبالؔ کشمیری
خودی کہتی ہے کشت زعفراں اچھی سے اچھی ہو

عشق مجنوں کی لنگوٹی سے نمایاں نہ ہوا
دیکھ کر وہ رخ لیلےٰ کبھی عریاں نہ ہوا

اس کو 'دل' کہنے لگے 'ہارٹ' رکھا نام اس کا
کلمہ پڑھ کر بھی یہ کافر جو مسلماں نہ ہوا

لوگ کہنے لگے بے دال کا بُودم اس کو
بلبل کانگریس آئی جو غزل خواں نہ ہوا

نوجوانوں کو دیا سنبل پیچاں نے پیام
جس نے زلفوں کو سنوارا وہ پریشاں نہ ہوا

واعظ قوم نے کل برسر منبر یہ کہا
میں حکومت سے کبھی دست و گریباں نہ ہوا

میری تقریروں میں آیا نہ کبھی نام جہاد
جنگ آزادی میں بھی داخل زنداں نہ ہوا

مجھ کو شمس العلماء کہنے لگے اہل مذاق
لیکن اس سے متزلزل میرا ایماں نہ ہوا

فرش گل میرے لئے میرا قدم اس کے لئے
میں کبھی سبزۂ پامال گلستاں نہ ہوا

میری صورت پہ برستی رہی لعنت لیکن
دیکھ کر دیدۂ نرگس مجھے حیراں نہ ہوا

اٹھے تو ہائے قوم وہ بیٹھے تو ہائے قوم
ہر سانس میں ہے ان کی فنا و بقائے قوم

افغانیوں کا درد بھی ان کے جگر میں ہے
وہ مدت مدید سے ہیں مبتلائے قوم

یہ 'پین اسلام ازم' طریق علاج ہے
افغانیوں کو دیں گے 'جمالی دوائے' قوم

'من تو شدم تو من شدی' پر کاربند ہیں
یعنی ہے ان کی ذات گرامی بجائے قوم

کلیاں ہیں، پھول کانٹے ہیں، سبزہ کا فرش نرم
ان کے چمن میں چلتی ہے باد صبائے قوم

وہ 'بادشاہ' ہوں گے ہے بس انتظار وقت
بیٹھے گا ان کے سر پہ جب آ کر ہمائے قوم

روتی ہے قوم جب تو وہ روتے ہیں چیخ کر
ہے یہ خدا کے ہاتھ انہیں کب ہنسائے قوم

نکلا نہ ان کے منہ سے کبھی حرف ناصواب
سنتے رہے سکون سے وہ نا سزائے قوم

دس 'پیڈ' لونڈے کہتے ہیں جلسوں میں 'زندہ باد'
ہوتے ہیں پھول کر جو وہ عزت فزائے قوم

یہ ان کا 'فارمولا' ہے واقف میں کیا کہوں
چندہ برائے لیڈر و لیڈر برائے قوم

چچا تم ہو علامہ بولے یہ جمن
کوئی وقت کا راگ ہ گاؤ تو جانیں

کہا میں نے تم بھی تو شاعر ہو جمن
'رزلٹی غزل' تم سناؤ تو جانیں

ارے ہاں رے ہاں رے ارے ناں رے ناں رے
یہ ٹکڑا غزل میں ملاؤ تو جانیں

سناتا ہوں اپنی غزل بولے جمن
مگر اس کا مطلب بتاؤ تو جانیں

شمارِ مظالم بتاؤ تو جانیں
جو گزری اسے بھول جاؤ تو جانیں

'مینی فسٹو' میں جو لکھا ہے تم نے
کسی دن اسے کر دکھاؤ تو جانیں

الکشن ولکشن تو ہے 'ڈھول ڈھپا'
کوئی 'پیش دستی' دکھاؤ تو جانیں

بنائیں گی کس کس کو اندرا منسٹر
بتاؤ' بتاؤ' بتاؤ تو جانیں

نہیں ہے جو دہقاں کو روزی میسر
ہتھیلی پہ سرسوں جماؤ تو جانیں

یہاں کی لڑائی ہے مرغوں کی پالی
جو کابل میں مینڈھا لڑاؤ تو جانیں

وہاں روسی فوجوں کی قابو چیت ہے
انہیں دے کے دھکا ہٹاؤ تو جانیں

جو غالبؔ کو آئی ہنسی 'حال دل' پر
یہ راز نہاں تم بتاؤ تو جانیں

اڑاتے ہو ساحل پہ مومنؔ کی غزلیں
جو منجدھار میں گنگناؤ تو جانیں

ہے ایوان میں شور برپا تمہارا
سڑک پر ذرا غل مچاؤ تو جانیں

کہا جمن نے سنئے اے چچا! فہمیدہ خواہد شد
تمہاری شاعری کا مدعا فہمیدہ خواہد شد

کہا میں نے کہ کیا بکتا ہے؟ کیا فہمیدہ خواہد شد؟
کہا اس نے کہ بے چوں و چرا فہمیدہ خواہد شد

کہا میں نے کہ دھمکی دے رہا ہے تو مجھے جمن!
کہا اس نے نہیں، لیکن ذرا فہمیدہ خواہد شد

کہا میں نے کہ تو فہمیدہ خواہد شد کا بچہ ہے
کہا اس نے کہ یہ بھی لکھ لیا فہمیدہ خواہد شد

کہا میں نے کہ جمن چپ بھی رہ بے کار بکتا ہے
کہا اس نے کہ چپ رہنے سے کیا؟ فہمیدہ خواہد شد

کہا اس نے کہ چپ رہنا ہے بالکل غیر جمہوری
مگر اقبآل نے بھی جو لکھا فہمیدہ خواہد شد

'گریز از طرز جمہوری' لکھا اقبآل نے شاید
اسی سے ہو گئے پیدا ضیا فہمیدہ خواہد شد

نہیں اقبآل کے پیغام میں افکار جمہوری
رکھوں گا سامنے 'بانگ درا' فہمیدہ خواہد شد

وہ نطشے کی 'سپرمین' کو 'شاہین' سمجھتے تھے
پڑھوں گا اس کا سارا فلسفہ فہمیدہ خواہد شد

اگر غالبؔ فلک کو 'بیضہ، قمری' سمجھتے تھے
تھا ان کا ذہن بھی کچھ بے تکا فہمیدہ خواہد شد

مزہ آتا رہا جمن کی اس تقریر میں لیکن
ردیف اس کی تھی بالکل ناروا فہمیدہ خواہد شد

گرفت جاہلانہ میں بھی اس کی اک ذہانت تھی
اٹھا وہ 'دفعتاً' کہتا گیا فہمیدہ خواہد شد

گیا جمن مگر اک نقش قائم کر گیا اپنا
مرے کانوں میں آتی ہے صدا فہمیدہ خواہد شد

حقیقت تو یہی ہے اس جہان رنج و غصہ میں
مرض کچھ بھی ہو، ہے اس کی دوا فہمیدہ خواہد شد

جمن جو چرا لائے تھے رمضانی کا بکرا
تھانے میں چرا لایا وہ قربانی کا بکرا

جمن بھی حراست میں ہیں اور کہتے ہیں رو کر
میں چور نہیں، تھا یہ میری نانی کا بکرا

رمضانی تو گانجے کا ہے اسمگلر اعظم
افسر کو سمجھتا ہے وہ ارزانی کا بکرا

سو سو کے وہ دس نوٹ دکھانے لگا پرسوں
کہتا تھا کہ دیدو مجھے انجانی کا بکرا

ضد کرتا تھا مردود کہ دیدو ابھی ورنہ
ہو جائے گا یہ سخت پریشانی کا بکرا

میں نے کہا بارہ سو جو دے گا اسے دوں گا
آئینہ ہے گاما کی پہلوانی کا بکرا

کہنے لگا رمضانی، سمجھ لوں گا میں تم سے
تم دیکھوگے پیسوں کی فراوانی کا بکرا

جمن کا بیاں سن کے ہیں داروغہ جی خاموش
اب 'نوک قلم' پر ہے یہ 'آسانی کا بکرا'

جمن نے بفاتی سے کہا، سن! میں بتاؤں
کرنا ہے حکومت تو لڑانے کا چلن سیکھ

پوچھا یہ بفاتی نے کہ کیوں کر میں لڑاؤں
جمن نے کہا ہاں میں بتا دوں گا یہ فن سیکھ

کچھ غالبؔ و اقبالؔ کے اشعار کو رٹ لے
کچھ حضرت واقفؔ سے بھی آداب سخن سیکھ

کچھ حضرت حالیؔ کی مسدس کو بھی پڑھ جا
کچھ مرثیہء قوم کا انداز سخن سیکھ

قرآن کی آیات سے مل جاتے ہیں گو ووٹ
لیکن میں بتاتا ہوں رحیمن کا بھجن سیکھ

بولا یہ بفاتی کہ میں سب سیکھوں گا جمن
تو بھی تو ذرا خدمت ابنائے وطن سیکھ

یہ سنتے ہی جمن نے کہا غصہ میں سُن سُن
استاد زمانہ ہوں میں سب سیکھ چکا ہوں

کس طرح لڑے ترک وعرب ہائے رے لارنسؔ
میں اس کو بصد رنگ ادب سیکھ چکا ہوں

میں جمعہ کو پیدا ہوا جمن ہے مرا نام
ووٹوں کے لئے سجدے کا ڈھب سیکھ چکا ہوں

کس طرح بگڑتے ہیں یہ ارباب سیاست
میں ان کا یہ انداز غضب سیکھ چکا ہوں

کہا فاسدؔ نے اپنی سعی پیہم رائیگاں کیوں ہے؟
لعیںؔ بولا، ہماری آہ سگریٹ کا دھواں کیوں ہے؟

پسرؔ بولا نہ جانے کیوں قلم چلتا نہیں میرا
زمیں کیوں تنگ ہے؟ دشمن ہمارا آسماں کیوں ہے؟

نفیؔ بولا پسرؔ سے، تم نرے مہمل ہو، جاہل ہو
تمہارا ہر 'ڈرامہ' بدحواسی کا بیاں کیوں ہے؟

پسرؔ بولا نفیؔ سے تم مجھے الزام دیتے ہو؟
'صدائے عام' وقف جذبۂ فضلوؔ میاں کیوں ہے؟

اس اثنا میں اخنیؔ آ گیا اور چیخ کر بولا
یہاں میں پوچھتا ہوں بدحواسی کا سماں کیوں ہے؟

لعیںؔ بولا یہ اخنیؔ سے کہ تم غصے میں ہو بیٹا
تمہارا مقبرہ دیر و حرم کے درمیاں کیوں ہے؟

یہ سن کر ہو گیا جامہ سے باہر اخنیؔ برہم
کہا مردود چپ رہ تو ہمارے درمیاں کیوں ہے؟

لعیںؔ برجستہ بولا سن! ارے اخنیؔ بتا ہم کو
ترے سر میں نہیں جب مغز پھر منہ میں زباں کیوں ہے؟

لعیںؔ بپھرا ہوا تھا، تھا نفیؔ غنہ کے عالم میں
اسے یہ فکر تھی ہر سو در جیب زیاں کیوں ہے؟

آئے ہیں ارباب دانش چند تجویزوں کے ساتھ
قوم کو بے مقصد و بے مدعا کرنے کے بعد

چٹکیاں

اک شاعر خوش وقت کل آیا مرے آگے
کرنے لگا استادی کا دعویٰ مرے آگے

کہنے لگا غالبؔ کو 'چچا' کہتے ہیں لیکن
ہوتے تو نظر آتے بھتیجا مرے آگے

دونوں میں وہی کھانا' وہی پینا' وہی بیڑی' وہی پان
ہندی بھی ہے اردوئے معلیٰ مرے آگے

میں قافلۂ فن ہوں رواں جانب منزل
گو بھونکتا ہے 'وقت کا کتا' مرے آگے

میں دونوں سے بیگانہ ہوں' میں دونوں سے آزاد
کعبہ مرے پیچھے نہ کلیسا مرے آگے

جب نشۂ نخوت میں وہ چور نظر آئے
آئینۂ دل توڑا، لنگور نظر آئے

نزدیک نظر آئے یا دور نظر آئے
جو بندۂ رشوت تھے بھرپور نظر آئے

افسرِ اعلیٰ تھے، معذور نظر آئے
وارنٹ جب آپہنچا مفرور نظر آئے

قانون محبت تھا آئین جہانداری
بدلے ہوئے دنیا کے دستور نظر آئے

ان فرقہ پرستوں کے چہروں کو جہاں دیکھا
رستے ہوئے بھارت کے ناسور نظر آئے

سمجھو کہ بپا ہوگا فی الفور نیا فتنہ
جب کوئی بڑا لیڈر رنجور نظر آئے

اللہ رے دیوانے اللہ رے فرزانے
وہ مل کے منسٹر سے مسرور نظر آئے

چندے کے مباحث میں احباب کا سرمایہ
اترے ہوئے چہرے بھی پرنور نظر آئے

جو رات کے غنڈے تھے اب خواب پریشاں ہیں
جو صبح کے غنڈے تھے کافور نظر آئے

بہت کفر ساماں ہیں 'حالات والات'
کہ بُت وُت پہ قرباں ہیں 'حالات والات'

ہے 'پیچیدہ ویچیدہ' ہر زلف برہم
'پریشاں وریشاں' ہیں 'حالات والات'

ہے مسجد میں اللہ اللہ بے شک
'مسلماں وسلماں' ہیں 'حالات والات'

'نگاہوں وِگاہوں' میں حیرت ہے ہمدم
کہ نرگس بداماں ہیں 'حالات والات'

کہیں 'سبزہ وبزہ' نہ ہو جس چمن میں
'خراماں وراماں' ہیں 'حالات والات'

فضا میں 'خموشی وموشی' ہے لیکن
'غزلخواں وزلخواں' ہیں 'حالات والات'

'سیاست ویاست' کی دنیا میں دیکھا
کہ 'شبکار عریاں' ہیں 'حالات والات'

ہرن 'چوکڑی ووکڑی' بھولتا ہے
'گریزاں وریزاں' ہیں 'حالات والات'

حضرت اقبالؔ ساری عمر فرماتے رہے
'ایڈونچر' کے لئے روتے رہے گاتے رہے

ان کے اس پیغام کو بے حوصلہ افراد قوم
خوب سمجھے اور سمجھ کر دل میں شرماتے رہے

ان کی 'بے عزمی' کا ساحل ساکت وصامت رہا
لاکھ طوفاں اٹھ کر آئے اور ٹکراتے رہے

'ایڈونچر' کے لئے 'بدھو' بھی آمادہ نہ تھا
لوگ اپنی راہ پر آتے رہے' جاتے رہے

ہر طرف' ہر بزم میں اقبالؔ کی تھی 'واہ واہ'
اہل دانش ان کا پرچم لے کے لہراتے رہے

'رسک' لینا اہل دانش کے لئے ممکن نہ تھا
اس لئے عملاً وہ اس منزل سے کتراتے رہے

واعظان قوم بھی باسوز و ساز و با وضو
حضرت اقبالؔ کے اشعار دہراتے رہے

بے خطر کیا کود پڑتے آتش نمرود میں
اس تصور سے بھی وہ حضرات گھبراتے رہے

ہم نشیں! اقبالؔ کے پیغام کا انجام دیکھ
قسمت بادہ بقدر جام کا انجام دیکھ

ہے بتوں کی یاد بھی یاد خدا کرنے کے بعد
رخ نہیں ہے جانب کعبہ دعا کرنے کے بعد

ہر ستم پیشہ مجھے دھرماتما آیا نظر
گائتری منتر وہ جپتا ہے جفا کرنے کے بعد

آئے ہیں ارباب دانش چند تجویزوں کے ساتھ
قوم کو بے مقصد و بے مدعا کرنے کے بعد

چائے ملتی جائے گی بزم سخن میں دوستو!
'واہ وا' کرنے سے پہلے 'واہ وا' کرنے کے بعد

حضرت غالبؔ بھی اک حرف معمہ ہو گئے
اچھی خاصی شاعری کو فلسفہ کرنے کے بعد

ہسپتالوں میں نہیں مرتا کبھی کوئی مریض
موت آتی ہے غریبوں کو دوا کرنے کے بعد

پتے غلط ہیں عزیزوں کے اور نام غلط
مطالبات کی فہرست ناتمام غلط

'ہلال' ہی کو جو 'قومی نشاں' سمجھتے تھے
وہ کہہ رہے ہیں کہ نکلا 'مہ تمام' غلط

نہ ہو جو گردن تسلیم خم تو بات نہ کر
اگر سلام غلط ہے تو پھر کلام غلط

مزاج یار میں تھا 'انفرادیت' کا وہ رنگ
کہ وہ سمجھتا تھا گاندھی کا اژدہام غلط

لکھا ہے خط میں یہ اک 'رہ نورد عالم' نے
کہاں کی صبح غلط ہے کہاں کی شام غلط

عجیب حال ہے اس رزم و بزم عالم کا
کہیں خواص غلط ہیں کہیں عوام غلط

پرانی قدروں کے دشمن یہ درس دیتے ہیں
نہ کوئی بات بری ہے نہ کوئی کام غلط

وہیں چھلکتے ہیں کم ظرفیوں کے پیمانے
جہاں بہ گردش ساقی ہو دور جام غلط

بپا ہے مسجد ہمسایہ میں یہ ہنگامہ
ہمیشہ پڑھتا ہے 'الحمد' یہ امام غلط

بتا رہا تھا مہندر کو رات ترلوچی
بغل میں رکھ کے چھری منہ میں رام رام غلط

پھولوں میں سیاست کے اگر بوئے وفا نیست
اے بلبل بیزار چہکنے کا مزا نیست

بے جرم پکڑے گئے ہیں داخل زنداں
اور 'تین سو دو' والوں کو ہے چھوٹ سزا نیست

کیا ہاسپٹل کھول کر بیٹھی ہے حکومت
اعلانِ طبیباں ہے مریضوں کی دوا نیست

'بیلون' میں 'پن' مار کے بھاگی ہے مینکا
کہتا ہے غبارہ یہ پچک کر کہ ہوا نیست

کل ایک 'منسٹر' نے کہا مجھ سے کہ حضرت
فانی ہے وزارت کہ کسی شئے کو بقا نیست

میں نے کہا ممکن ہے کہ مہلت ملے کچھ اور
حال آپ کی لچکیلی دیانت کا برا نیست

اُس نے کہا' بیکار ہے' بیکار ہے سب کچھ
باہیچ دلاور سپر تیر قضا نیست

بنایا بدمعاشوں کو جب اپنا رازداں تم نے
الکشن ہارنے کے بعد اب محو فغاں کیوں ہو؟

تمہارے جن سنگھی ہیں، یہی ہے طرزِ فکر اُن کا
تمہارے منہ میں ہندی کی جگہ اردو زباں کیوں ہو؟

کبھی تم کو اِدھر دیکھا، کبھی تم کو اُدھر دیکھا
مگر میں نے نہ پوچھا، تم یہاں کیوں ہو؟ وہاں کیوں ہو؟

کوئی چھلنی میں دوہے دودھ اور قسمت کو گالی دے
تمہیں کہہ دو خدائے عقل اُس پر مہرباں کیوں ہو؟

کس فکر میں ہیں اہل ستم کیا بتاؤں میں
کیا کر رہے ہیں اہل قضا کچھ نہ پوچھئے

دیکھیں گے رنگ خون شہیدوں کا مہ جبیں
کس کس طرح پسیگی 'حنا' کچھ نہ پوچھئے

حالات حاضرہ

حالات حاضرہ کی ادا کچھ نہ پوچھیے
کب چل پڑے گی کیسی ہوا کچھ نہ پوچھیے

آمادۂ فساد ہیں پھر شیخ و برہمن
مجھ سے کسی کا نام، پتہ کچھ نہ پوچھیے

کیا ہے فتور 'قافلۂ نو بہار' میں
کیا ہے قصور بانگ درا کچھ نہ پوچھیے

بزم بتاں میں مسجد بابر کا ذکر ہے
'بندہ' ہے اور 'خوف خدا' کچھ نہ پوچھیے

جنگل کے شیر ہونک رہے ہیں کچھار میں
ہے فیل مست کالی گھٹا کچھ نہ پوچھیے

ارباب انتظام حکومت 'غنودہ اند'
بیگانۂ چمن ہے 'صبا' کچھ نہ پوچھیے

کس فکر میں ہیں اہل ستم کیا بتاؤں میں
کیا کر رہے ہیں اہل قضا کچھ نہ پوچھیے

دیکھیں گے رنگ خون شہیدوں کا مہ جبیں
کس کس طرح پسیگی 'حنا' کچھ نہ پوچھیے

دیکھو اے گردش ایام! مزے کرتے ہیں
ٹیکس ہم دیتے ہیں حکام مزے کرتے ہیں

ہے علاج اور دواؤں کی مراعات انہیں
مفت کھا کر سحر و شام مزے کرتے ہیں

گالیاں سن کے بھی آتی نہیں غیرت ان کو
لیتے ہیں لذت دشنام مزے کرتے ہیں

'پختہ' ہے ان کی حکومت کا مزاج 'در وبست'
اور یہ 'باخرد خام' مزے کرتے ہیں

دفتری کیا ہیں فرائض' انہیں اب یاد نہیں
چھوڑ کر اپنے یہ سو کام مزے کرتے ہیں

ان کے دفتر میں بھی 'پکھراج پری' آتی ہے
اور شہزادۂ گلفام مزے کرتے ہیں

بہ تمنائے در یار ہے ہر سانس ان کی
بہ تماشائے لب بام مزے کرتے ہیں

ٹھوکریں کھا کے سنبھلتے ہوئے گرتے ہیں مگر
'پیروی' ہے تو 'بہرگام' مزے کرتے ہیں

رشوت ہے اگر رشوت دنیا کو دکھا دیں گے
شبنم کو ہنسا دیں گے، پھولوں کو رلا دیں گے

پیغام عمل اپنا دنیا کو سنا دیں گے
تم چھوٹ کے رشوت لو یہ سب کو بتا دیں گے

ہم نغمۂ رشوت پر چوتال بجا دیں گے
شیطان کی قسمت کو ٹھوکر سے جگا دیں گے

جو سبزۂ ایماں کو پامال جہاں کر دے
ہر صبح گلستاں کو وہ باد صبا دیں گے

اٹھ جائے گا وہ اپنے بستر سے باذن اللہ
بیمار دیانت کو رشوت کی دوا دیں گے

حکام اگر ہم سے بدظن نظر آئیں گے
کچھ ان کو کھلا دیں گے، کچھ ان کو پلا دیں گے

کیا فطرت رشوت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گی جتنا کہ دبا دیں گے

کہیں مجنوں کہیں لیلائے ناہموار کا گھپلا
کہیں ہے تیشۂ فرہاد میں کہسار کا گھپلا

کبھی غلہ کبھی بنئے کبھی بازار کا گھپلا
کبھی اے دوست! درپردہ نگاہِ یار کا گھپلا

کبھی روئے سخن میں شیشۂ گفتار کا گھپلا
کبھی اس آئینہ میں نقش بر دیوار کا گھپلا

کبھی دیتے ہیں ظالم وقت کی رفتار کا گھپلا
کبھی تاریخ کے قصوں میں ہے کردار کا گھپلا

کہا اک خوگر بے ہودگی جاہل نے کل مجھ سے
سمجھتا ہوں میں 'واقفِ آرٹ' کے اشعار کا گھپلا

مرید پیر مغاں درد صبح گاہ میں ہے
ہوائے گوشہء میخانہء خانقاہ میں ہے

ہے 'بے خودوں' کا مقام وجود الااللہ
خودی کی تیغ ابھی ضرب لااللہ میں ہے

پتہ چلا ہے عزیزان بے وطن سے مجھے
کہاں کہاں شجر سایہ دار راہ میں ہے

خبر نہیں ہے خدا یان سیم و زر کو ابھی
فقیر راہ نشیں کس کی خواب گاہ میں ہے

بدل چکی ہے زمانہ میں فطرت شاہیں
وہ روز و شب کسی 'الو' کی بارگاہ میں ہے

خدا پناہ میں رکھے حرام زادوں سے
جو بدمعاش ہے شیطان کی پناہ میں ہے

ہے میری 'دار جیلنگ ٹی' میں موج طوفاں خیز
وگرنہ 'آہ' میں کچھ ہے نہ 'واہ واہ' میں ہے

مرے قلم کی سیاہی ہے تیرے چہرے پر
تری نگاہ کا جادو مری نگاہ میں ہے

میں بازار سود و زیاں دیکھتا ہوں
تصور میں دل کی دکاں دیکھتا ہوں

جو 'اخبارچی' ہیں جو 'اخبار چیں' ہیں
وہ کہتے ہیں سارا جہاں دیکھتا ہوں

منجم نہیں صرف شاعر ہوں لیکن
زمیں دیکھ کر آسماں دیکھتا ہوں

ملا ثانوی درجہ اردو کو بے شک
مدارس میں اس کو کہاں دیکھتا ہوں

ہو مسجد کے اندر کہ مسجد کے باہر
مسلماں کو بدھو میاں دیکھتا ہوں

ہر اک ریگزار خیال و عمل میں
سیاست کا دریا رواں دیکھتا ہوں

بہت بڑھ گیا اس علاقہ میں واقف
میں عرصہ سے جو کچھ یہاں دیکھتا ہوں

بت غور طلب ہیں نہ خدا غور طلب ہے
اے دوست گرانی ہی ذرا غور طلب ہے

دھتکار دیا جس نے اسی در پہ ہیں سجدے
یہ رسم و رہ اہل وفا غور طلب ہے

کس شان سے فرماتے ہیں ارباب قیادت
یہ ظلم و ستم جور و جفا غور طلب ہے

ووٹ اس نے دلائے ہیں مگر ہے وہ 'کرمنل'
اب اس کی جزا اور سزا غور طلب ہے

کیا بات ہے؟ کیا ہوگئیں اٹھکھیلیاں تیری
یہ چیز تو اے باد صبا غور طلب ہے

بولا وہ حسین دیکھیے کیا 'مار' ہے کیا 'پیچ'
ہر آرٹ میں واقف کی صدا غور طلب ہے

بھارت کا ہے 'اقبال' کہ 'آزاد' ہیں غنڈے
گالی کے مصنف 'سخن ایجاد' ہیں غنڈے

گل فام ہیں گل رخ ہیں' پری زاد ہیں غنڈے
نمرود ہیں' فرعون ہیں' شداد ہیں غنڈے

گاندھی کی 'اہنسا' پہ بھی احسان ہے ان کا
آزادی کی تاریخ کو بھی یاد ہیں غنڈے

ہر پولیٹیکل پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی
ہر قصر گرانمایہ کی بنیاد ہیں غنڈے

ہر مذہب و ملت میں رسوخ ان کا ہے یکساں
ہر قوم کے فرزند خداداد ہیں غنڈے

ہو بھتری چھری ہاتھ میں ان کے تو سرراہ
معلوم یہ ہوتا ہے کہ جلاد ہیں غنڈے

ہو سامنے لیلےٰ تو ہیں یہ قیس برہنہ
شیریں نظر آجائے تو فرہاد ہیں غنڈے

ابلیس کو دعویٰ ہے یہ بیٹے ہیں ہمارے
گو حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں غنڈے

ہر فن میں ہیں یہ طاق انہیں کیا نہیں آتا
ہر علم کے پیدائشی استاد ہیں غنڈے

کوئلوں سے بنا دیتے ہیں نقش سر دیوار
بے معنی ہیں اور مانی و بہزاد ہیں غنڈے

اے انجمن خصیہء تنظیم فسادات
برباد ہوئے شہر تو آباد ہیں غنڈے

ترا طرز لیڈرانہ' مرا رنگ شاعرانہ
ترا کام گریۂ غم' مرا کام ہنسی اڑانا

ہے مدار فکر تیرا' یہی ووٹ' یہی الکشن
ہے مدار فکر میرا' تری قوم کا ترانہ

تو ہے کوہکن کی کھٹ کھٹ' میں ہوں نغمہ ہائے شیریں
تو فسانۂ حقیقت' میں حقیقت فسانہ

ترا جو حریف ہوگا اسے گالیاں ملیں گی
بہ شعور صوفیانہ' بہ شعار عالمانہ

مجھے مانتی ہے دنیا' مجھے جانتی ہے دنیا
تری فکر بیکرانہ' مرا ذکر بیکرانہ

ہے یہ ارض پاک و بھارت میں نشان اقلیت کا
نہ یہاں کوئی ٹھکانہ' نہ وہاں کوئی ٹھکانہ

مجھے کچھ خبر نہیں ہے جو فساد بو رہی ہے
یہ ہوائے آر ایس ایس یہ ادائے کافرانہ

میں بتا رہا ہوں تجھ کو' کہ یہ مرغ اندرا
کہیں لے کے چار تنکے' نہ بنا لے آشیانہ

عوامی ذہن کو پروا نہیں اچھی حکومت کی
بری بھی ہو اگر 'سالی' تو چل جاتا ہے کام اس کا

الکشن نام ہے اس کے لئے پیسہ کمانے کا
وہ اس کو آنکتا پھرتا ہے کیا اٹھا ہے دام اس کا

ہے 'انڈی وجوئل ازم' اس کے لئے سب سے بڑی دولت
یہی ہے گردش ساغر یہی ہے دور جام اس کا

خودی اقبال کی اس کی نگاہوں میں ہے خود غرضی
یہی ہے دوستان بے تکلف میں پیام اس کا

فقط 'ذاتی مفاد' اس کا وطن ہے وہ جہاں جائے
اسی میں ہے ثبات اس کی اسی میں ہے قیام اس کا

وہ آداب عرض کرتا ہے ہو کہ تسلیمات اے واقف
سلام دوستائی ہے بہرصورت سلام اس کا

بتا اے دوست ! آوازِ درا آگے ہے یا پیچھے؟
ترا رہبر نصیب نقش پا آگے ہے یا پیچھے؟

تری منزل کہیں ہو اس سے کیا مطلب زمانے کو
مگر اتنا تو کہہ دے راستہ آگے ہے یا پیچھے؟

کتابِ دل لکھی ہر پارٹی نے 'مینی فسٹو' میں
نہ پوچھو اب کہ حرف مدعا آگے ہے یا پیچھے

مریضِ شامِ تنہائی یہ آنکھیں کھول کر بولا
کوئی ہے؟ دیکھنا! میری دوا آگے ہے یا پیچھے؟

یہاں شورِ عنادل ہے ، وہاں کلیاں چٹکتی ہیں
کسی کو کیا غرض بادِ صبا آگے ہے یا پیچھے؟

جہاز اپنا ہے، موجیں اپنی ہیں' طوفان بھی اپنا
خدا معلوم اپنا ناخدا آگے ہے یا پیچھے؟

یہ تیرے سادہ دل عاشق ہیں یا اُلو کے پٹھے ہیں
جو اس چکر میں ہیں ترچھی ادا آگے ہے یا پیچھے؟

یہ پورب ہے، یہ پچھم ہے، یہ اتر ہے یہ دکھن ہے
غبارِ راہ کیا جانے ہوا آگے ہے یا پیچھے؟

مزا آ ہی گیا اُس شوخ بے ہودہ نے جب پوچھا
مری باتوں میں اے واقف مزا آگے ہے یا پیچھے؟

بازو پہ اپنے تمغۂ شیطاں لئے ہوئے
سر میں خیال قتل مسلماں لئے ہوئے

پھرتے ہیں سہسرام میں غنڈے اِدھر اُدھر
تیر و سنان و خنجر و پیکاں لئے ہوئے

سیّاں ہیں کوتوال تو پھر کیا کسی کا ڈر
بیٹھا رہے کوئی در زنداں لئے ہوئے

ہر جیب میں ہیں بم کے دھماکے بھرے ہوئے
ہر آستیں ہے دُشنۂ پنہاں لئے ہوئے

کہتے ہیں اس کو زخمۂ مضراب آر ایس ایس
سازِ پولس ہے تارِ رگِ جاں لئے ہوئے

یہ ساحلِ سکون حکومت کا فیض ہے
قطرہ ہے سہسرام کا طوفاں لئے ہوئے

ہر صبح سہسرام ہے امید و بیم زیست
ہر شب وہاں ہے خوابِ پریشاں لئے ہوئے

اے 'چیف'! سہسرام کو بھی جا کے دیکھئے
لیکن نگاہِ زود پشیماں لئے ہوئے

روزِ وصال بھی شبِ ہجراں ہے آج کل
فتنہ فسادِ کارِ نمایاں ہے آج کل

اصغرؔ نے جو کہا تھا وہ بالکل درست ہے
کانٹوں کو بھی غرورِ گلستاں ہے آج کل

اولاد بابری کو مٹا دیں گے 'ہیجڑے'
چیلنج یہ بنامِ 'مسلماں' ہے آج کل

کوؤں کی کائیں کائیں میں اعلان صبح ہے
داغِ سیاہ مہر درخشاں ہے آج کل

چھپرہ کی 'قتل گاہ' پہ فرما گئے جگرؔ
شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

نفرت ہے اتحاد سے ہر بدمعاش کو
اس کاروبارِ زیست میں نقصاں ہے آج کل

سایہ ہے اس پہ گیسوئے سرمایہ دار کا
بالکل سیاہ شامِ غریباں ہے آج کل

ہر چیز کی گرانی ہے 'سر بر فلک' نہ پوچھ
لے دے کے اپنا 'خون' ہی ارزاں ہے آج کل

ہر سمت ہُن برستی ہے رتھ کے جلوس پر
یہ لیڈری بھی گنجِ فراواں ہے آج کل

کتنا حسیں ہے نقشۂ ارباب انتظام
تصویر یار پردہ میں عریاں ہے آج کل

دیتی ہے ککڑوکوں کی صدا عندلیب بھی
مرغ جنون جنگ پر افشاں ہے آج کل

ملا تھا تم کو مرے دوستو شراب میں زہر
تمہاری موت سے آشفتگی ہوئی پیدا

تھا قاشِ برف دلِ بے گدازِ اہلِ قلم
مرے جو تم تو نہیں سنسنی ہوئی پیدا

ہلاکِ فلسفۂ ناؤ نوش تھے تم لوگ
کہ میرے شعر میں شوریدگی ہوئی پیدا

ہے 'میکبیتھ' کی چڑیلوں میں پیش گوئی کا ذوق
تمہارے بھوتوں سے ان میں خوشی ہوئی پیدا

ہے روحِ شیکسپیئر اُن کی پیش آگاہی
وہ کہہ سکیں گی جو بالیدگی ہوئی پیدا

اس حادثہ کی حکومت بھی ذمہ دار سی ہے
بتائے دل میں اگر 'گدگدی' ہوئی پیدا

جواب دہ نہیں جو لوگ وہ جواب تو دیں
کہ بزم بادہ میں کیوں برہمی ہوئی پیدا

شراب زہر نہیں داغؔ کہتے ہیں واقف
یہ بات آج تو بالکل نئی ہوئی پیدا

نئی تعلیمی پالیسی بالکل غیر واضح ہے حکومت کی
وزیر اعظم بھارت جو کرنا ہے وہ کر جائیں

نئی تعلیمی پالیسی کا مقصد ہے اہا ہاہا اہاہاہا
بھری گنگا سے ٹاٹا کے 'شناور' پار اتر جائیں

جو ٹاٹا ہیں نہ برلا ہیں نہ ان دونوں کے 'پٹھے' ہیں
وہ تعلیمی ادارے چھوڑ کر خالہ کے گھر جائیں

حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی سے ظاہر ہے
کہ ذہنی طور پر جو لوگ زندہ ہیں وہ مر جائیں

اگر وہ منزلِ تعلیم تک جانے کے خواہاں ہوں
تو جائیں شوق سے لیکن براہ پر خطر جائیں

فلمی دھنیں جلوس شہ کربلا کے ساتھ
توہین ہے امام شہادت مآب کی

کیوں بحث کر رہے ہیں اکھاڑوں کے سربراہ
گنجائش اس میں کیا ہے سوال و جواب کی

شہنائیاں ہوں ماتمی ہر اک جلوس میں
یہ بات کیوں سمجھ میں نہ آئی جناب کی

پاس فلاح ملت بیضا ضرور ہے
یہ انجمن دکھاتی ہے راہیں ثواب کی

فلمی دھنوں کی 'راہ خطا' اب تو بند ہو
جس نے ہر اک اکھاڑے کی مٹی خراب کی

مسموم ہے فضائے حکومت بہار کی
رفتار فتنہ خیز ہے ہر نابکار کی

کل پھر فساد ہو گیا جمشید پور میں
ایسی کی تیسی وعدہ و قول و قرار کی

غنڈوں کے کاروبار پہ ہیں رخنہ ہائے گل
زرپاش ہے ہوا چمن روزگار کی

اے سربراہ بزم وزارت بتایئے
کیوں 'اختیار' نے یہ روش اختیار کی

لے دے کے سر پہ آپ کے یہ فکر ہے سوار
پگڑی اتر نہ جائے کسی تھانیدار کی

کھولی ہیں خود جناب نے غنڈوں کے واسطے
مسدود ہو چکی تھیں جو راہیں فرار کی

رانچی بھی زد میں آ گیا کیوں آ گیا؟ کہوں
وقعت بڑھائی آپ نے ہر بے وقار کی

اور سہسرام میں جو ہوا ہے نہ پوچھیے
اس میں خطا تھی صرف دل داغدار کی

خطرے میں ہے بہار بتائیں یہ سربراہ
کب تک رہے گی نرم صدا 'گیرودار' کی؟

کیوں ہوئے اس درجہ آتش زیرپا اے لیڈرو
کیوں ہے 'نیچی ذات' میں ماتم بپا اے لیڈرو

ہوگیا 'پرسا' میں بارہ آدمی کا قتل کیوں
کیوں انہیں زندہ جلا کر رکھ دیا اے لیڈرو

تھے وہ بے چارے گڑیڑی اور تم 'اعلیٰ ذات' ہو
کیوں ہوئی تم سے یہ سرزد 'نیچتا' اے لیڈرو

ساتھ عدو تم نے مویشی بھی جلا ڈالے وہاں
گائے بچھڑے بیل کی کیا تھی خطا اے لیڈرو

کیا یہی دیتی ہے اعلیٰ ذات پیغام حیات
کیا یہی ہے زندگی کا مدعا اے لیڈرو

کتنے تم بیدار ہو' سفاک ہو' بے رحم ہو
اور پھر انسانیت ناآشنا اے لیڈرو

آہ جو مارے گئے انسان تھے' انسان تھے
یا کوئی تھا ان کا 'آدم' دوسرا اے لیڈرو

ابن آدم کو جلائے ابن آدم کا چراغ؟
یہ انا ہے شیطنت کی انتہا اے لیڈرو

انتقام آباد بھارت میں ہو تم 'دیپک کا راگ'
ساز ہستی ہو نہ جائے بے نوا اے لیڈرو

ظالموں کو کر نہیں سکتی کبھی قدرت معاف
تم کو بھی پینا ہے اب زہر فنا اے لیڈرو

اے صدائے رومن امپائر! ڈیوائڈ اینڈ رول
شیعہ سنی لڑ گئے آپس میں کیا کہنا ترا

نوحہء شام غریباں ہو گئی شام اودھ
سرخیء خون شہیداں ہے یہ 'افسانہ' ترا

میں نہیں کہتا کہ یہ صورت ہے نازیبا مگر
لکھنو کا آئینہ ہے اب رخ زیبا ترا

لڑنے والے کیوں نہ لڑتے وہ لڑے خم ٹھونک کر
کار فرما دست رنگیں تھا پس پردہ ترا

اس طرح آراستہ ہے ملک میں تیری بساط
چال 'فرزیں' ہی کی ہے پیدل ہو یا گھوڑا ترا

ہو گیا سر بر زمیں جب پرچم امن و سکوں
آٹومیٹک طور پر اونچا ہوا جھنڈا ترا

گر مریضوں کی عیادت سے ہیں غافل ہم لوگ
'صحن مسجد' میں بھی ہیں 'گمرۂ منزل' ہم لوگ

ہسپتالوں کی طرف ہم کبھی پائے نہ گئے
ہم کو اسلام کے آداب سکھائے نہ گئے

اس کو خطبوں میں اماموں نے کہا ہو تو کہو
ان 'قباؤں' میں کوئی 'مردِ خدا' ہو تو کہو

خیر چھوڑو انہیں اب خود یہ سنور جائیں گے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو گھر آئیں گے

نوجوانو! تمہیں اب قافلہ سالار بنو
خادمِ قوم بنو! قوم کے سردار بنو

یہاں ہر ڈاکٹر فرعون بے ساماں نظر آیا
مسلماں بھی یہاں کا سخت بے ایماں نظر آیا

'کریمنل نگلیجنس' اس کا شعور بدشعاری ہے
انگوٹھے پر ہے شیطاں کے جو اس کی ذمہ داری ہے

اسی کے رنگ میں 'اسٹاف' بھی اس کا ہے کیا کہیے
کسے تیر ستم کہیے کسے تیغ جفا کہیے

چھری ان کی شناسا گردن بسمل سے ہوتی ہے
ملاقات مریض ناتواں قاتل سے ہوتی ہے

کوئی فریاد کرتا ہے جب ان کی بدسگالی پر
اتر آتی ہے ان کی بد زبانی ماں کی گالی پر

پھر اس کے بعد ان کی فتنہ سامانی ابھرتی ہے
لئے گنگا سے ان کی 'جل پری' پانی ابھرتی ہے

مذمت ان کی واجب اور فرض آدمیت ہے
مریضوں سے جسے الفت ہے اس کو ان سے نفرت ہے

کبھی دوزخ کا ہے کھٹکا کبھی شیطان کا خوف
کبھی فرعون کا ڈر ہے کبھی ہامان کا خوف

میرزا غالبؔ مرحوم بھی پٹ جانے کے بعد
رکھتے تھے قلب میں معشوق کے دربان کا خوف

تم چلو جانب ساحل کہ طبیعت بدلے
رفع ہوگا وہیں اٹھتے ہوئے طوفان کا خوف

صرف قانون ہی کیا کم تھا ڈرانے کے لئے
اب نئی دھونس ہے 'ہرگاہ' پہ فرمان کا خوف

اپنی تہذیب کی اے دوست حفاظت کیا ہو
موت کی طرح مسلط ہو اگر جان کا خوف

خالی الذہن ہے ایوان حکومت افسوس
اس کو معلوم نہیں ہے اُسے کرنا کیا ہے

اس نے دیکھی ہی نہیں صبح تجلائے حرم
کچھ پتہ اس کو نہیں شام کلیسا کیا ہے

اس کی نافہمی زمانہ سے یہ کرتی ہے سوال
بلبل زار ہے کیا؟ الو کا پٹھا کیا ہے؟

وہ یتیموں کے تحفظ کا بنائے قانون
سہل سی بات ہے اس بات میں جھگڑا کیا ہے

اس کو احساس نہیں مجنوں کی عریانی کا
فکر یہ ہے کہ دم ناقۂ لیلیٰ کیا ہے

کتنی ناکارہ ہے ایوان حکومت کی ہر اینٹ
آپ بھی جانتے ہیں آپ سے پردہ کیا ہے

ہوئی قانون یتامیٰ میں جو تاخیر اب بھی
اس پہ کھل جائے گا قدرت کا طمانچہ کیا ہے

جو اسپ وقت تھا سرپٹ چہار گام چلا
بہ ناز و غمزہ چلا' مست و خوش خرام چلا

اِدھر سے لیچی کا رس بھیجا ان کو 'میڈم' نے
اُدھر سے جانب بھارت ضیا کا آم چلا

بہت اہم ہے پھلوں کا تبادلہ اے دوست
خبر لذید تھی ذکر اس کا صبح و شام چلا

خدا معاف کرے میں فسردہ بیٹھا تھا
اچھل پڑا جو سنا اور شاد کام چلا

نوید امن ہے صرف آم اور لیچی نہیں
میں دوستوں کو یہ دیتا ہوا پیام چلا

بقائے باہم نہرو کی یاد تازہ کر
میں یہ نظام چلاؤں تو وہ نظام چلا

بچھا نہ راہ عمل میں کمند مکر و فریب
کبھی نہ ہاتھ سے شمشیر انتقام چلا

زمانہ گرچہ ہے راکٹ کے دوش پر لیکن
بہ یاد ماضی تو رتھ اور تام جھام چلا

اصول کیا ہے؟ فقط زینت کتاب جنوں
تو 'ڈپلومیٹ' ہے دشمن سے اپنا کام چلا

نگاہ شوق میں گو خوش نما ہے پاکستان
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا ہے پاکستان

اِدھر ہے روس کی سازش اُدھر ہے امریکہ
اسی دو راہے پہ اب چل پڑا ہے پاکستان

کہا تھا مجھ سے خلیق الزماں نے 'آرہ' میں
کوئی مرض ہو بس اس کی دوا ہے پاکستان

گرفت ذہن پہ بھارت کے ہوگی' وہ بولے
یہ بات راز کی ہے 'تسمہ پا' ہے پاکستان

نہ تھا وجود جب اس کا یہ اس گھڑی کی ہے بات
بنا تو دیکھ لیا 'زلزلہ' ہے پاکستان

میں جانتا ہوں جو بولیں گے آج شب کو ضیا
سنیں گے آپ بھی بالکل ضیا ہے پاکستان

خدا کا نام ضیا لیں کہ بھائی اصغر خان
خدا کے خوف سے ناآشنا ہے پاکستان

نہیں ہے سر میں کہیں 'مغز بے خودی' اس کے
ہزار حیف کہ اب کھوکھلا ہے پاکستان

وزیرِ خارجہ چین آئے بھارت میں
تمام دہلی میں غل مچ گیا ہُوانگ ہُوا

سنا ہے چین کی بھارت سے دوستی ہوگی
کریں گے ہند کو لطف آشنا ہُوانگ ہُوا

اکیس سال ہوئے آئے تھے چُو این لائی
پرانے عہد کا ہیں سلسلہ ہُوانگ ہُوا

ہوائے تند کا دل سے غبار مٹ جائے
چلا رہے ہیں وہ ٹھنڈی ہوا ہُوانگ ہُوا

گزشتہ جنگ کو اب بھول جائیں دونوں ملک
اسی کی فکر میں ہیں مبتلا ہُوانگ ہُوا

جو بات وجہِ تصادم ہوئی وہ کون سی تھی
چلائیں گے ابھی اس کا پتہ ہُوانگ ہُوا

ہو چین و ہند کی 'چوطرفہ پالیسی' یکساں
یہ سازِ وقت ہے جس کی صدا ہُوانگ ہُوا

بھتیجوں کی طرح واپس ہوا 'یو این کمیشن' کل
جو ایرانی حکومت کو چچا چھکن سمجھتا تھا

وہ لوہے کا چنا ثابت ہوئی اس کے لئے دیکھو
جسے وہ ٹوسٹ سمجھتا تھا جسے مکھن سمجھتا تھا

پتہ یو این کمیشن کو چلا اس کے تدبر کا
جسے یہ عقل اور تہذیب کا مدفن سمجھتا تھا

یہ اپنے ذہن میں ایران کے ہر ایک چپہ کو
فقط پٹرول کا چشمہ فقط روغن سمجھتا تھا

چھڑانا چاہتا تھا دوست بن کر یرغمالوں کو
بہت آساں اسے یہ 'عقل کا دشمن' سمجھتا تھا

سمجھتا تھا کہ اب ایران ہے بس 'ابلہ مسجد'
اُسے 'بدھو' سمجھتا تھا اُسے جمن سمجھتا تھا

اسے الفت تھی جیمی کارٹر کے نونہالوں سے
انہیں ہر حال میں 'مظلوم امریکن' سمجھتا تھا

کمیشن پر ہوا ثابت کہ اب آزاد ہے ایراں
یہ جس کو اپنی 'خالہ جی کا گھر آنگن' سمجھتا تھا

ایک سکّہ کے دو رخ

زبان ثانوی بن کر ہوئی ہے جلوہ گر اردو
حکومت کا یہ سکہ ہے' ادھر ہندی' ادھر اردو

زبان اور مصدر

زباں مصدر سے بنتی ہے' جو اردو ہے وہ ہندی ہے
بڑھی ہندی مصادر کی بدولت بے خطر اردو

آنا جانا کھانا پینا

یہ 'آنا جانا' کھانا پینا' ہندی بھی ہے اردو بھی
نہ سمجھے تم تو اب سمجھو! پڑھو بے شور و شر اردو

فارسی رسم الخط کی اہمیت

جو 'ہندی' فارسی کے 'رسم خط' میں ہو وہ 'اردو' ہے
اسی ہندی کو کہتے آئے ہیں اہل نظر 'اردو'

اردو کا ذخیرہ

ذخیرہ میں ہیں اس کے فارسی عربی کے 'اسما' بھی
تمھیں کیوں ضد ہے کہہ دے 'باگھ' کو گر 'شیر نر' اردو

اردو کی نئی نسل

اردوئے معلیٰ کی ادا بھول رہی ہے
وہ حرف و سخن صوت و صدا بھول رہی ہے

جو اس نے پڑھا اس نے سنا بھول رہی ہے
اسلاف نے کیا اُس کو دیا بھول رہی ہے

کب اُس نے کہاں کس سے لیا' بھول رہی ہے
کب اُس کو کہاں کس نے دیا بھول رہی ہے

وہ کہتی ہے 'اے پربھو! دیا کیجئے ہم پر'
اردو میں وہ اب 'نامِ خدا' بھول رہی ہے

اب اس کو مزا ملنے لگا رام بھجن میں
وہ 'صَلِ علیٰ سیّدنا' بھول رہی ہے

ہندی میں وہ کر لیتی ہے قرآں کی تلاوت
معلوم نہیں اسکو وہ کیا بھول رہی ہے

آگاہ نہیں اب وہ 'نسیم سحری' سے
کیا چیز ہے یہ 'بادِ صبا' بھول رہی ہے

کیا ربط اُسے 'قافلہ سالارِ حرم' سے
اقبالؒ کی جب بانگِ درا بھول رہی ہے

الفاظ میں ہیں 'زندگی، قوم' کے اسرار
افسوس یہی 'درسِ بقا' بھول رہی ہے

دنیائے معانی میں جو برپا ہے قیامت
اُس کو بھی یہ 'بے چشمِ وفا' بھول رہی ہے

بے غیرتیٔ قوم کی مظہر نہیں بالکل
لیکن یہ 'حیادار' حیا بھول رہی ہے

عجیب مصرع سیکولر نژاد مضطرؔ ہے
'حرم کو جاتے ہوئے منہ بتوں کا چھو آئے'
امام مسجد جامع کا مجھ سے حال نہ پوچھ
وہ رات سننے کو شہنائی باوضو آئے

تضمین

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اُس کی حسین ابتدا ہیں اسمعیلؑ
(اقبالؔ)

چھڑی ہے عرشِ الٰہی پہ داستانِ عرب
محیطِ اہلِ محبت ہے آسمانِ عرب

چلے ہیں مسلکِ ایثار لے کے اسمٰعیلؑ
رواں دواں ہے سوئے عرش کاروانِ عرب

چھری ہے باپ کے ہاتھوں میں بہر قربانی
خدا کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے جانِ عرب

میں سر کٹاؤں گا کہتے ہیں یہ ذبیح اللہ
پیامِ حیرتِ جبریل ہے زبانِ عرب

بپا ہے سارے ملائک میں ایک ہنگامہ
دکھا رہا ہے خدا عز و جاہ و شانِ عرب

ہے پیش گوئی شہ کربلا کی ذبحِ عظیم
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اُس کی حسین ابتدا ہیں اسمٰعیلؑ

کیا بتاؤں شہِ جیلاںؒ کی فضیلت آسیؔ
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

(عبد العلیم آسیؔ)

مالک الملک نے دی ہے انہیں عزت آسیؔ
غوثؒ کا نام ہے اللہ کی قدرت آسیؔ

اُن کے قدموں سے ہے وابستہ ولایت آسیؔ
اُن کے ہاتھوں میں ہے کونین کی دولت آسیؔ

کرم اللہ کا ہے ان کی عنایت آسیؔ
میں بتاتا ہوں تمہیں اپنی حقیقت آسیؔ

اپنے اُس 'کتے' میں ہے ان کو محبت آسیؔ
'لاتخف' کہہ کے وہ دیتے ہیں بشارت آسیؔ

رکھتی ہے 'مستِ الست' اُن کی حمایت آسیؔ
ہو مرے والدِ مرحوم پہ رحمت آسیؔ

اُن کا ارشاد ہے یہ کلمۂ حکمت آسیؔ
آج تک یاد ہے ان کی یہ نصیحت آسیؔ

'نگہہ غوثؒ' بدل دیتی ہے قسمت آسیؔ
میں ہوں اب واقف اسرارِ سعادت آسیؔ

کیا بتاؤں شہ جیلاںؒ کی فضیلت آسیؔ
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

حرم کو جاتے ہوئے منہ بتوں کا چھو آئے

(مضطرؔ خیر آبادی)

عجیب مصرع سیکولر نژاد مضطرؔ ہے
'حرم کو جاتے ہوئے منہ بتوں کا چھو آئے'
امامِ مسجد جامع کا مجھ سے حال نہ پوچھ
وہ رات سننے کو شہنائی باوضو آئے

مجھے جو دیکھا کہ طبلہ پہ مر رہا ہوں میں
وہ میرے پاس قریبِ رگِ گلو آئے
بتوں کی جلوہ طرازی' وہ دُھن' وہ شہنائی
ادب کے بعد یہ حضرت بھی رو برو آئے

وہ کہہ رہے تھے ہے جائز 'سرودِ ہمسایہ'
مُسلّمات میں کیا حرفِ گفتگو آئے
خموش رہئے! کہا میں نے' سنئے شہنائی
کہاں سے لیکے یہ طبع بہانہ جُو آئے

لکھا تو میں نے مگر اس کا یہ نہیں مطلب
کہ ذکر ان کا زبانوں پہ چار سو آئے
وہ متقی ہیں' وہ پرہیزگار ہیں' سن لو!
ذرا سی بات پر کیوں تم کو 'آخ تھو' آئے

نو جوانوں سے

خدا کرے کہ تمہیں ذوقِ جستجو آئے
تمہارے ہاتھوں میں اقبالؔ کا 'کدو' آئے

'کدو' کو اپنے غنیمت سمجھتے تھے اقبالؔ
پیو کہ باتوں میں کچھ لیڈری کی بُو آئے

تمہاری فکر ہو شاہیں کا شہپر پرواز
کبوترانہ غٹرغوں میں جب عدو آئے

چاہتے ہیں تجھے معشوق طرحدار ریاضؔ
تجھ میں کمبخت کہاں سے یہ ادائیں آئیں
(ریاضؔ خیر آبادی)

سادہ دل صوفی بھی ہیں آج کے ہشیار ریاضؔ
'مولوی' نام کا انساں بھی ہے عیار ریاضؔ

زاہد خشک بھی ہے 'مالکِ دینار' ریاضؔ
عابد مسجد جامع بھی ہے زردار ریاضؔ

ہے نہاں رشتۂ تسبیح میں زنار ریاضؔ
قابلِ دید ہے یہ وحدتِ کردار ریاضؔ

'رہبر قوم' ہوا وقت کی رفتار ریاضؔ
اُس کی تقریر ہے اب لذت گفتار ریاضؔ

پھول بھی اس کو نظر آنے لگے خار ریاضؔ
اس کی نظروں میں نہیں ہے کوئی گلزار ریاضؔ

راہ پُر خوف ہے اور منزل دشوار ریاضؔ
اُس طرف غول بیاباں کی ہے سرکار ریاضؔ

اُس کی ہر بات میں ہے جھوٹ کی بھرمار ریاضؔ
اُس کی ہر سانس میں ہے سانپ کی پھنکار ریاضؔ

ہے 'کرپشن' ہی وہاں عقل کا معیار ریاضؔ
دفتری نظم پہ قابض ہیں 'زبوں کار' ریاضؔ

ملک ہے تیری دیانت کا طلب گار ریاضؔ
ان کی طاقت پہ ہے کمزوروں کی پھٹکار ریاضؔ

'گل کدہ' سے ہیں رتن ناتھ بھی 'سرشار' ریاضؔ
'ہیجوے' تیرے ہیں اک لشکر جرار ریاضؔ

باندھ دے ان کی کمر سے کوئی تلوار ریاضؔ
ناچ پر 'تا تھئی تت' ہیں تیرے اشعار ریاضؔ

'سارے گاما' ہے ترے ساز کی جھنکار ریاضؔ
'موم' ہے تیرے لئے ہر 'بتِ پندار' ریاضؔ

چاہتے ہیں تجھے معشوق طرحدار ریاضؔ
تجھ میں کمبخت کہاں سے یہ ادائیں آئیں

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

(غالبؔ)

آہ اے پندرہ اگست اور واہ اے پندرہ اگست
دخترِ بانکے ہے اس بھارت کی مہنگائی نہ پوچھ

آگئی جب یہ تو پھر ٹلنے پہ آمادہ نہیں
ناتوانوں سے کبھی اس کی توانائی نہ پوچھ

ساز بگڑے ہے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی
غیض میں ڈوبی ہوئی ہے دل کی شہنائی نہ پوچھ

صبر آجاتا اگر ہوتی گرانی بے وقوف
اس کو برلا نے سکھا دی اپنی دانائی نہ پوچھ

ہم غریبوں پر بھی ہے اک گوشۂ چشمِ کرم
اس کی آنکھوں میں ہے زہر آلود چترائی نہ پوچھ

بر بنائے مصلحت خاموش رہنا ہے مجھے
سر زمینِ ہند کیوں اس کو پسند آئی نہ پوچھ

کس طرح بیٹھی ہے یہ بھارت میں آسن مار کر
کیا اشارے کر رہی ہے اس کی انگڑائی نہ پوچھ

سارے دو نمبر کے پیسے والے اس کے 'یار' ہیں
اب رہے بھوکے تو وہ گاتے ہیں 'چوپائی' نہ پوچھ

'کارٹل سسٹم' میں سارے تانے بانے ایک ہیں
کرتی ہے کپڑوں کی مل ننگوں پہ دارائی نہ پوچھ

مکر کی پونجی ہے اور سنگ در سرمایہ دار
کون کرتا ہے وہاں جا کر جبیں سائی نہ پوچھ

ہرچہ باشی باش عرفی ہند کے زردار باش
کس طرح اس 'نظریہ' کی ہے پذیرائی نہ پوچھ

نام کس کا لوں کہ اس حمام میں ننگے ہیں سب
آج آزادی کے دن کس کس کی یاد آئی نہ پوچھ

صلح میں پوشیدہ ہے اک وقفہ سامانِ جنگ
اور یہ بیہودگی کیوں دفعتاً چھائی نہ پوچھ

ذہن انسانی پہ اب اخلاق کا پہرہ نہیں
یوں تو ہندو اور مسلماں دونوں ہیں بھائی نہ پوچھ

'بادہ امروز' کی تلخی سے دل بیزار ہے
'جامِ جم' کے ساتھ ہے الفت کی رسوائی نہ پوچھ

ہے 'اخوت' کی زباں پر آج غالبؔ کا یہ شعر
کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے
(داغؔ)

کنایوں سے کہہ دو اشاروں سے کہہ دو
نگاہوں سے کہہ دو نظاروں سے کہہ دو

دوپٹوں سے کہہ دو غراروں سے کہہ دو
ملے 'لفٹ' تو ماہِ پاروں سے کہہ دو

ہو موقع تو فلمی ستاروں سے کہہ دو
جو عاشق ہیں ان جاں سپاروں سے کہہ دو

جو 'دل پھینک' ہیں ان کنواروں سے کہہ دو
صحافت کے رنگیں غباروں سے کہہ دو

سیاست کے سرمایہ داروں سے کہہ دو
وزارت کے موٹر سواروں سے کہہ دو

ہو واقف تو لاکھوں ہزاروں سے کہہ دو
نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

تہذیب مغربی میں ہے بوسہ تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے
(اکبرؔ الہ آبادی)

اکبر الہ آبادی بھی تھے 'شاعر مضاف'
تہذیب مشرقی سے جو کرتا تھا انحراف
اس کو وہ بے دریغ سناتے تھے صاف صاف

ان کی نظر میں سارے فرنگی تھے 'زیرِ ناف'
'طوطے' کو اپنے کہتے تھے 'سیمرغ کوہِ قاف'
جرأت نہ تھی کہ ان سے کرے کوئی اختلاف

ان کی زبان عدل تھی 'میزانِ انصاف'
الفاظ تھے تلے ہوئے بے لاف و بے گراف
جرمن 'مضاف الیہ' تھے انگریز تھے 'مضاف'

تھا وصف خاص سیرت نبویؐ سے اتصاف
ان کا لقب تھا صاحب معراج اعتکاف
اس راز کا قلم سے ہوا ان کے انکشاف

تہذیب مغربی میں ہے بوسہ تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

تھے اقبالؔ کی کارگاہِ سخن میں
نئے آفتاب اور نئے چاند تارے

'خودی' منجمد فلسفہ بن گئی تھی
مگر چل پڑی شاعری کے سہارے

ادبی شخصیات

مولانا محمد علی جوہرؔ

یہی حدیث تھی 'فردوسِ رنگ و بُو' اُن کی
اسی نے جانِ گلستاں بنا دیا ان کو

نسیم صبح علی گڑھ تھے اور وہ کیا تھے
اسی کے فیض نے طوفاں بنا دیا اُن کو

وہ عندلیب نوا سنج 'باغِ کثرت' تھے
اسی نے شیرِ نیستاں بنا دیا ان کو

علیگ اور وہ تھے بی اے آکسن لیکن
اسی نے حاصلِ قرآں بنا دیا اُن کو

اسی سے سنّتِ یوسف نے اُن کو پیار کیا
اسی نے 'زینتِ زنداں' بنا دیا ان کو

اُسی سے اُن کی نوا تھی صدائے اسرافیل
اسی نے حشر بداماں بنا دیا اُن کو

یہی حدیث محمد علی کا 'جوہر' تھی
اسی نے صاحب عرفاں بنا دیا ان کو

مولانا محمد مسلم

لب پر رسولِ پاک کا کلمہ لئے ہوئے
مسلم تھے دردِ دل کا مداوا لئے ہوئے

آیا جو اُن کے پاس 'کلیسا' لئے ہوئے
رخصت ہوا وہ طورِ تجلّی لئے ہوئے

تھے لوگ سامنے صفِ اعدا لئے ہوئے
مسلم رہے خدا کا سہارا لئے ہوئے

حسرت لئے ہوئے نہ تمنا لئے ہوئے
وہ تھے سکونِ قلب کی دنیا لئے ہوئے

ان کی عنایتیں لب ساحل سے پوچھئے
کوثر کی موج آئی تھی دریا لئے ہوئے

اسلام کے لئے تھی فقط 'جہدللبقا'
دنیا سے بے غرض تھے وہ دنیا لئے ہوئے

فرعونِ عصر نو سے بھی ملتے تھے وہ مدام
لیکن عصائے حضرتِ موسیٰ لئے ہوئے

بے مثل تھی صلاحیت کارکردگی
'دعوت' کا بار سر پہ تھے تنہا لئے ہوئے

آتا تھا ان کے پاس ہر اک انٹلکچوئل
اک جنبشِ قلم کا تقاضا لئے ہوئے

پنڈت چکبستؔ لکھنوی

لکھا تھا آنجہانی حضرتِ چکبست نے واقفؔ

'اذاں سے نعرۂ ناقوس پیدا ہو نہیں سکتا
ابھی کچھ روز تک کعبہ کلیسا ہو نہیں سکتا'

عجب رخ سے کیا چکبستؔ نے یہ حملۂ بھارت

جواب اس کا دیا جائے تو کیا کیا ہو نہیں سکتا
مگر 'لطف سخن' ہے اس میں جھگڑا ہو نہیں سکتا

جگرؔ مراد آبادی

جگرؔ مرحوم پاکستان جب پہنچے تو بول اُٹھے

مبارک تُو، ترا مے خانہ، تیری انجمن ساقی
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمتِ دار و رسن ساقی

یہاں جب آ گئے واپس تو پھر ان کا یہ عالم تھا

اداؤں میں نہ تھا باقی کوئی دیوانہ پن ساقی
کہاں کی جیل کیسا تختۂ دار و رسن ساقی

غزل پر جب ہوئے حملے تو ان کو آ گیا غصہ

نکالی نیام سے اور سونت لی تیغِ سخن ساقی
دکھائی دشمنوں کو منزلِ معراجِ فن ساقی

نہ پی میں نے نہ توبہ کی جگرؔ سے مختلف ہوں میں

کوئی مضمون ہو لکھتا ہوں اس کو دفعتاً ساقی
مجھے کانٹا سمجھتے ہیں مگر اہلِ چمن ساقی

صحافی شاعری ہے اور مرا رنگ تغزل ہے

مجھے بلبل سمجھتے ہیں یہاں زاغ و زغن ساقی
یہی ان کی روش ہے اور یہی ان کا چلن ساقی

یہاں بے ہودگی اور بے تکے پن کا تسلط تھا

مری باتوں سے بھاگا دُم دبا کر اہرمن ساقی
مرے اشعار سے بدلا مزاقِ انجمن ساقی

ہٹا اس ہیجڑے پن کو دکھا مردانگی اپنی

مجھے کیا کام تو گلفام ہے یا گلبدن ساقی
یہ میرا بھی وطن ہے جیسے اندرا کا وطن ساقی

مولینا آزاد سبحانی

آرہی ہے جانے کیوں آزادؔ سبحانی کی یاد
ان کے علم و حکمت و ایثار و قربانی کی یاد

کیا زمیں رکھتے تھے وہ کیا آسماں رکھتے تھے وہ
حضرت اقبالؔ کا سارا جہاں رکھتے تھے وہ

اُن کی تقریریں جو تقدیرِ مسلماں ہو گئیں
مشکلیں جتنی پڑیں ملت پہ آساں ہو گئیں

اُن کی تحریروں میں انشا کی دلآویزی ملی
ان کی ہر تصنیف میں شمشیر کی تیزی ملی

وہ تصوف کے بھی قائل تھے مگر 'بے پیر' تھے
پھر بھی وہ آہِ سحر تھے 'نالہء شبگیر' تھے

یا محمدؐ! یا محمدؐ کی صدائے دلنواز
بعد مغرب آتی تھی پڑھتے تھے جب تنہا نماز

لکھ رہا ہوں آج ان کا یہ گرانمایہ درود
حق کرے تم کو عطا گنج سخن فتح و کشود

ذوق و مستی میں اُٹھے جب وہ دعا کرنے کے بعد
مجھ کو دی اس کی اجازت التجا کرنے کے بعد

پھر کہا مجھ سے درودِ حضرت مینا ہے یہ
چشمۂ کوثر سے جو نکلا ہے وہ دریا ہے یہ

جو پڑھے اس کو فقیری میں بھی سلطانی کرے
بادشاہوں کو عطا رازِ جہانبانی کرے

اس کو پڑھ کر تم خدا سے دور ہو سکتے نہیں
یعنی سب کچھ ہو مگر مغرور ہو سکتے نہیں

حالیؔ ، اقبالؔ اور ہم

کہا تھا یہ حالیؔ نے اک روز جل کر
'جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے'

جب اقبالؔ آئے تو خوش ہو کے بولے
'لب آبجوئے بہ شالا مارے'

تھے اقبالؔ کی کارگاہِ سخن میں
نئے آفتاب اور نئے چاند تارے

'خودی' منجمد فلسفہ بن گئی تھی
مگر چل پڑی شاعری کے سہارے

ٹھہرتی کہاں اس میں حالیؔ کی گالی
تھے طوفانِ اقبالؔ 'کوثر' کے دھارے

یہ ملت یہاں ڈھونڈتی پھر رہی تھی
بہ ساحل سکونے' بہ دریا قرارے

ہوا سے زمانے کے دامن بچا کر
جو ملت رواں تھی کنارے کنارے

کیا فکر اقبالؔ نے اس کو مومن
زمیں پر تھے جنت کے دلکش نظارے

مسلماں سے طوفاں کا دل کانپ اُٹھا
دئے ان کو رومیؔ کے وہ 'برق پارے'

یہ 'معراج ملت' ہے شاعر کا احساں
'زصیدِ زبونے' بہ یزداں شکارے

رہے 'ہم' تو اپنا نہیں کوئی دعویٰ
ہیں موجود 'سنگم' کے سارے شمارے